Regd. # SC-1177

سُنّت کی آئینی حیثیت

مؤلف

علامہ بدر القادری

جمعیّت اِشاعت اہلِسنّت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

Ph : 021-2439799 Website : www.ishaateislam.net

سنت کی آئینی حیثیت

مؤلّف

علامہ بدر القادری

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی، فون: 2439799

نام کتاب : سنت کی آئینی حیثیت
مؤلف : علامہ بدر القادری
سن اشاعت : جمادی الآخر ۱۴۳۰ھ/ جون ۲۰۰۹ء
تعداد اشاعت : ۳۵۰۰
ناشر : جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)
نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر، کراچی، فون: 2439799
خوشخبری: یہ رسالہ website: www.ishaateislam.net پر موجود ہے۔

پیش لفظ

اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوششیں اغیار نے ہمیشہ سے کیں، ان کا طریقہ ہائے واردات مختلف رہے، اُن میں سے ایک طریقہ جو اُن کے لئے سودمند اور اہلِ اسلام کے لئے بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوا وہ یہ کہ اپنے ایسے ایجنٹ بنا دیئے جو بظاہر مسلمان تھے اور ہیں پھر وہ اسلام کے نام پر اہلِ اسلام کو کفر و ضلالت کی عمیق گہرائیوں میں پہنچانے کے لئے مصروف و مشغول ہو گئے، اہلِ اسلام کے دلوں میں اسلام اور نبیِ اسلام، قرآن و حدیث، فقہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے لگ گئے اور اپنے تئیں مذہبی اسکالر اور دین و قوم کے خیر خواہ کہلانے لگے، اُن لوگوں نے کئی فتنے پیدا کئے ان میں سے ایک بڑا فتنہ حدیثِ رسول ﷺ کے حُجت ہونے کا انکار ہے۔ اس موضوع پر حضرت علامہ بدر القادری صاحب کی تحریر ''سنّت کی آئینی حیثیت'' مختصر و مفید تھی تو جمعیت اشاعت اہلسنّت کی شعبہ نشر و اشاعت کی کمیٹی نے اسے اس ماہ اپنے سلسلۂ اشاعت کے 182 ویں نمبر پر شائع کرنے کے لئے منتخب فرمایا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

محمد عطاء اللہ نعیمی
(خادم دار الافتاء جمعیت اشاعت اہلسنّت)

فہرست مضامین

تقدیم

از محمد احمد مصباحی رکن المجمع الاسلامی واستاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

قرآن کریم خُدا کا آخری پیغام اور لافانی سرچشمۂ ہدایت ہے۔ وہ رہتی دنیا تک عالَمِ انسانیت کی ہدایت وفلاح کا ضامن ہے۔ ربّ کریم نے اپنے رسول انور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر اسے ہر چیز کے واضح بیان کی صورت میں اُتارا، اور مسلمانوں کے لئے اُن کا دین کامل کردیا۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ (النحل: ۱۶/۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اُتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کے لئے۔

اور فرماتا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: ۵/۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

لیکن کیا ہر شخص قرآن کریم سے ہر طرح کے تمام معانی ومطالب نکال سکتا ہے؟ یا کم از کم دین و شریعت کے تمام احکام صرف قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح اور قطعی طور پر جان سکتا ہے؟ یہ ایک ضروری اور اہم سوال ہے جس کا جواب اُن کے ذمہ ہے جو حدیثِ رسول سے بے نیازی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص تو درکنار یہ کام ہر عالم کے بس کا بھی نہیں، بلکہ اُمّت کے بڑے سے بڑا عالم بھی سنّتِ رسول سے بے نیاز ہوکر اسے انجام نہیں دے سکتا۔ اجلّہ صحابۂ کرام بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتفہیم کے محتاج رہے، جس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اسی لئے ربّ کائنات ارشاد فرماتا ہے:

رُجوع کریں۔اس طرح عوام کا مرجع علماء، علماء کا مرجع حدیث، حدیث کا مرجع قرآن کوٹھہرایا، اور بلاشبہ انتہا ربّ ہی کی جانب ہے۔

جیسے یہ ہے کہ مجتہدین اگر حدیث ترک کردیں اور صرف قرآن کی طرف رجوع لائیں تو گمراہ ہوجائیں اسی طرح یہ بھی کہ اگر عوام مجتہدین کو چھوڑ دیں اور خود حدیث کی جانب رجوع کرنے لگیں تو گمراہ ہوجائیں۔اسی لئے امام اعظم و امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قریب زمانہ کے ایک جلیل القدر امام حدیث حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''غیر فقہاء کے لئے حدیث گمراہی کی جگہ ہے'' (یعنی آدمی فقاہت سے خالی ہے تو حدیث سے گمراہی میں پڑسکتا ہے جیسے حدیث وفقاہت کے بغیر خود قرآن سے گمراہی میں پڑسکتا ہے) اسے امام ابن الحاج مکی نے امام موصوف سے ''مدخل'' میں نقل فرمایا۔

عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں فرماتے ہیں:

تأمّل یا أخی لو لا أن رسول الله ﷺ فصّل بشریعته ما أجمل فی القران لبقی القران علی إجماله کما أن المجتهدین لو لم یفصّلوا ما أجمل فی السّنة لبقیت السّنة علی إجمالها، وهکذا إلی عصر نا هذا

برادرم، غور کر اگر رسول اللہ ﷺ اپنی شریعت سے قرآن عظیم کے مُجمل اُمور کی تفصیل نہ فرماتے تو قرآن کریم یوں ہی مجمل رہ جاتا، اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر حدیث کی مجمل باتوں کی تفصیل نہ فرماتے تو حدیث یوں ہی مُجمل رہ جاتی، اسی طرح ہمارے زمانے تک۔

یہی وجہ ہے کہ دین حق کی بنیاد اور احکام شرعیہ کی اساس چار چیزوں پر رکھی گئی:

(۱) قرآن (۲) سنّت (۳) اِجماع (۴) قیاس

اس کی نشاندہی خود قرآن میں موجود ہے۔قرآن وسنّت کے مرجع ہونے سے متعلق تو بہت آیات ہیں بعض اوپر نقل بھی ہوئیں۔اب سنّت واجماع دونوں کے حُجت ہونے سے متعلق یہ آیت کریمہ ملاحظہ ہوں:

﴿وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا﴾ (النساء:۴/ ۱۱۵)

اور جو رسول کے خلاف کرے اس کے بعد کہ حق راستہ اس پر کُھل چکا، اور مسلمانوں کی راہ سے جُدا راہ چلے ہم اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بُری پلٹنے کی جگہ ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول کریم کی مخالفت اور مسلمانوں کے اجتماعی طریق سے سرتابی جہنم رسی کا باعث اور عذابِ الٰہی کا سبب ہے۔اس سے جہاں اتباعِ رسول کا وُجوب ثابت ہوتا ہے وہیں ''سبیل مومنین'' (مسلمانوں کے اجتماعی راستے) کی پیروی کا وُجوب بھی ثابت ہوتا ہے۔

قیاسِ مجتہدین کی حُجیت، فقہائے دین کی جانب رجوع، ان کی تعلیم پر اعتماد اور ان کے ارشادات کے اتباع سے متعلق درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

''اہل ذکر سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں''۔(سورۃ النحل: ۱۶/ ۴۳)

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَا عُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾

(النساء: ۴/ ۸۳)

اور جب اُن کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں، اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رُجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں استنباط اور کاوش کرتے۔

معلوم ہوا کہ ربّ کریم نے اُمّت کے کچھ افراد کو استنباط کی قوت بخشی ہے وقتِ حاجت عام مسلمانوں کو ان کی جانب رجوع کرنے ہی میں نجات ہے:

﴿ وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ﴾ (التوبه: ۹/ ۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تا کہ دین میں فقاہت حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم

کوڈر سنائیں اس اُمید پر کہ وہ بچیں۔

اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔۔۔۔۔درجۂ فقاہت تک رسائی سب کے لئے میسر نہیں۔

۲۔۔۔۔۔ایسے افراد کا ہونا ضروری ہے جو دینی فقاہت کے کمال سے آراستہ ہوں۔

۳۔۔۔۔۔انکی ذمہ داری یہ ہے کہ فقہ کی تحصیل کے بعد وہ اپنی قوم کے سامنے تبلیغ کر دیں۔

۴۔۔۔۔۔قوم کی ذمہ داری یہ ہے کہ ان پر اعتماد کرے، ان کا اتباع کرے، خُدا سے ڈرے اور معاصی سے بچے۔

۵۔۔۔۔۔اُن کا اتباع اسی لحاظ سے ہوگا کہ انہوں نے خُدا کے دین اور اس کی شریعت کا وہ علم حاصل کر لیا جو ہمارے پاس نہیں، اور فقہ واجتہاد کی صلاحیت سے کام لے کر احکام کے استخراج اور جزئیات کی معرفت تک پہنچ چکے ہیں، ان کے علم کا سرچشمہ کتاب وسنّت اور اجماع مجتہدین ہے۔ اُن کے دینی اخلاص وتقویٰ کا سونا نکھرا ہوا ہے اس لئے ان کا بتایا ہوا حکم دراصل کتاب وسنّت کا ارشاد اور خُدا اور رسول کا فرمان ہے اور اُن کی اطاعت خُدا اور رسول ہی کی اطاعت ہے۔

اُمّتِ مُسلمہ کا سوادِ اعظم ان چاروں اُصول کتاب، سنّت، اجماع، قیاس کو حُجت مانتا ہے اور عہدِ صحابہ سے لے کر دَورِ حاضر تک کے مسلمانوں کا عمل درآمد اسی پر جاری ہے۔ لیکن جب کسی سر میں آزادی کا سودا سماتا ہے اور نفس کی غلامی کا جذبہ اُبھرتا ہے تو وہ ان چار اُصول میں سے کسی ایک سے انکار کے چکر میں پڑتا ہے تا کہ پابندی میں کچھ کمی ہو اور نفس کو ذرا آزادی وعیاشی نصیب ہو۔ اسی لئے کوئی کہتا ہے کہ فقہاء کی پیروی اور آئمہ کی تقلید ایک لغو اور بے معنی چیز ہے یہ تو ایسے ہی ہوا جیسے مشرکوں نے ایک خُدا کو چھوڑ کر بہت سے "ارباب" ٹھہرا لئے، خُدا کی کتاب اور رسول کی سنّت کافی ہے، آئمہ کی تقلید شرک ہے دوسرا اُٹھتا ہے اور کہتا ہے رسول کی اِطاعت بھی غیر خُدا کی اطاعت ہے سنّتِ رسول بھی کوئی چیز نہیں بس اللہ کی کتاب کافی ہے یہ مُنکرین کبھی تقلید کی مخالفت میں فقہاء و آئمہ پر طعن وتشنیع کے تیر برساتے ہیں، کبھی سنّت کی مخالفت میں مُحدّثین اور کُتبِ حدیث کو ہدف بناتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو اجماعِ اُمّت کا انکار کرتے ہیں جس قدر انکار بڑھتا جاتا ہے آزادی کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے، عیاشی، نفس پروری اور ہوس پرستی کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

کتاب وسنّت میں جو مسائل تفصیلاً مذکور ہیں وہ بہت کم ہیں، اُصول وکُلیات ضرور موجود ہیں۔ جن سے روزمرہ جزئیات کے استخراج، استخراج کے لئے قانون سازی اور تفریع وتاصیل کا بہت سا کام فقہاء وآئمہ نے انجام دیا جو اُمّت کے لئے مینارۂ نور اور مشعلِ راہ ہے۔ اب اس کی روشنی میں یہ سہولت بہم ہو چکی ہے کہ ہر دَور کے علماء اپنے زمانہ کے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ مُشکل کی توضیح، مُجمل کی تفصیل، مُرسل کی تقیید وغیرہ اُمور کی صلاحیت رکھنے والے علماء ہر زمانے میں ہوتے رہیں گے اور دین کی خدمت سرانجام دیں گے۔ جیسا کہ "بخاری" و "مسلم شریف" کی حدیث "لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَاْتِیَ أَمْرُ اللّٰهِ" سے یہ مضمون علماء نے واضح کیا ہے۔

مگر جو لوگ فقہاء وعلماء سے بے نیازی کے مُدّعی ہیں وہ ذرا اُن سے خوشہ چینی کے بغیر صرف کتاب وسنّت سے عبادت، معاملت، معیشت، تمدن، حکومت، سیاست وغیرہ متنوع شعب زندگی کے جزئیات کی تفصیل پیش کریں۔ یقیناً وہ اس سے عاجز ہیں، بلکہ تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ ایسے لوگ دو راہ اختیار کرتے ہیں، پہلی یہ کہ گذشتہ فقہاء وآئمہ کے اقوال تلاش کر کے دیکھتے ہیں کہ کون زیادہ آسان یا زیادہ منفعت بخش ہے۔ یا کون ہماری خواہش اور مزاج سے زیادہ قریب ہے، اسی کو لے لیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے کتاب وسنّت سے اخذ کیا۔ حالانکہ انہوں نے فقہاء وعلماء سے سرقہ کیا (یعنی چوری کی)، مزید یہ کہ فقہا نے جو حکم بیان کیا تھا وہ اُن کے اخلاص واجتہاد پر مبنی تھا مگر انہوں نے وہی حکم لیا تو اخلاص واجتہاد کے تحت نہیں بلکہ محض ہوائے نفس، راحت طلبی اور منفعت جوئی کے زیر اثر لیا۔

دوسری راہ یہ کہ اپنی بے نور عقل کا گھوڑا دوڑاتے ہیں، اور جو سمجھ میں آیا بتا دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث میں تفصیل موجود نہیں، اور اُن کے پاس علوم کی مہارت اور اجتہاد کی قوّت بھی نہیں مگر ایک قوم کی پیشوائی کا سہرا باندھ کر نکل پڑے۔ اب یہ ہر شعبۂ زندگی کے ہر باب کے ایک ایک مسئلہ کے بارے میں بتائیں تو کہاں سے بتائیں۔ اپنی عقل میں جو آیا کہہ دیا۔ اور اسکی پیروی اپنی قوم پر لازم کر دی۔ دراصل یہ آئمہ کرام اور رسولِ اسلام علیہ وعلیہم السلام سے برگشتہ کر کے خود اپنے آگے جھکانے اور اپنی اطاعت کرانے کی تدبیر ہے۔

کہتے یہ ہیں کہ کتاب کی اِطاعت کرو، یا کتاب وسنّت کی پیروی کرو، لیکن ظاہر ہے کہ جو قوم عربی زبان سے نابلد ہے وہ کتاب وسنّت کی اِطاعت کیسے کرے؟ ترجمہ دیکھے تو یہ دراصل مُترجم کی پیروی ہے نہ معلوم اس نے کہاں سے اور کیسے ترجمہ کیا۔ اس کی تقلید اور اس پر کامل اعتماد کے بغیر اس کے ترجمہ پر کاربند ہونا ممکن نہیں پھر جس طرح اصل کتاب وسنّت سے اُن کے لئے تمام احکام کا استخراج ممکن نہیں صرف ترجمہ سے بھی ممکن نہ ہوگا۔ اسی طرح اُن میں جو عربی زبان کے ماہر ہوں وہ بھی کتاب وسنّت کی اصل زبان پڑھ کر اس سے جملہ احکام کے استخراج پر قدرت نہیں رکھتے۔ صحابہ کرام تو بیانِ رسول اور بیانِ مجتہدین کے محتاج تھے۔ آج کا کوئی ماہر اُن سے بے نیاز کیسے ہوسکتا ہے؟ لامحالہ وہی ہوگا جس کے بہکانے سے اس نے آئمہ کا دامن چھوڑا اُسی کو امام بنالے گا اور وہ جو کچھ بتادے گا اسی کی تقلید کرے گا۔ اسی طرح جس نے رسول کی اِطاعت سے ہٹایا اُسی کو رسول کی جگہ مرجع بنائے گا اور وہ جو جو بتاتا جائیگا اُسے مانتا جائے گا۔

یہ کہاں کی دانشمندی ہوئی کہ رسول کی اِطاعت تو شرک سمجھی اور ایک عامی کی اِطاعت کو ایمان بنالیا؟ یا آئمہ کی اِطاعت کو تو شرک قرار دیا اور صدیوں بعد جنم لینے والے کسی نفس پرست کی غلامی کا قلادہ (یعنی ہار) گردن میں ڈال لیا اور بزعم خویش مست رہے کہ ہم تو صرف اللہ کے فرمانبردار ہیں: ہم محض خُدا اور رسول کے مُطیع ہیں۔ صرف کتاب وسنّت ہمارا مرجع و ماخذ ہے۔

جو شخص بھی اِن چار اُصول میں سے کسی ایک کا مُنکر ہو آپ اس کا جائزہ لے لیں وہ اپنے نفس کا مُتبع ہوگا یا اپنے سے بھی گھٹیا کسی دوسرے نفس پرست کا اِطاعت شعار ہوگا۔ عام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کی طرف رُجوع کرتے اور اگر یہ میسر نہ ہوتا تو اُن صحابہ کرام کی تقلید کرتے جو علم وفضل، دیانت وتقویٰ اور قوتِ اجتہاد واستنباط میں اُن سے اعلیٰ وافضل ہوتے۔ اسی کی قرآن نے انھیں ہدایت دی۔ اسی طرح ہر زمانے میں غیر مجتہد افراد زیادہ رہے اور شریعت کے معاملہ میں کسی مجتہد کی تقلید کرتے رہے۔ مگر جب آزادی کی ہوا چلی تو طرح طرح کے فرقے پیدا ہوئے۔ فقہ وقیاس اور تقلیدِ آئمہ کے مُنکرین، اِجماعِ اُمّت کے مُنکرین، حدیثِ رسول اور سنّت نبوی کے مُنکرین یہاں تک کہ قرآن کریم کے مُنکرین جو قرآن کو "بیاض عثمانی" اور ناقابل اعتبار بتاتے ہوئے ذرا بھی نہیں شرماتے۔

اور المیہ یہ ہے کہ یہ سب کلمہ گو ہیں۔ یہود ونصاریٰ کے مستشرقین کا انکار اس سے مختلف ہے وہ تو سرے سے اسلام ہی کے مُنکر ہیں اس لئے وہ قرآن کو خُدا کا کلام نہ مانیں، حدیثوں میں تشکیک کریں۔ آئمہ وفقہا کو بے اعتبار ٹھہرائیں۔ علماء وصلحا سے اُمّت کو بیزار اور متنفر کریں۔ سیرتِ رسول پر اعتراضات جڑیں، اسلامی قوانین کو ناپائیدار اور کمزور بتائیں۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں کچھ بھی کریں۔ حیرت انگیز نہیں، مگر کلمہ گویوں کا قرآن کی تعلیمات اور رسول کے ارشادات سے انحراف حیرت انگیز بھی ہے اور الم انگیز بھی۔ ربّ کریم مسلمانوں کی حفاظت وصیانت فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب "سنّت کی آئینی حیثیت" مُنکرینِ حدیث کے لئے دعوتِ حق اور سوادِ اعظم اہلسنّت وجماعت کے لئے سامانِ بصیرت وذریعۂ استقامت ہے۔ برادرِ محترم مولانا بدر القادری دام فضلہُ نے بہت اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس موضوع سے عُہدہ برآ ہونے کو کوشش کی ہے۔ یوں تو مُنکرین کے بے ہودہ خیالات، بے جا اعتراضات، غلط تاویلات اور من مانی تفہیمات کی کمی نہیں۔ سب سے تعرض ہو تو ضخیم دفتر بھی ناکافی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو طبقہ عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک کی تمام موقر اسلامی شخصیات کو بے اعتبار سمجھتا ہو وہ خود کس قدر اعتنا کے قابل ہے؟ وہ علماءِ اسلام کی ساری جدوجہد اور تمام دینی وعلمی خدمات کو صفر کے درجہ میں شمار کرے اور ہم اس کی ہر بات کو درخورِ اعتنا سمجھیں جب کہ وہ محض کج فہمی، گمراہی اور قصداً گمراہ گری کی پیداوار ہیں۔

ہاں اجمالاً اتنا جان لینا ضروری ہے کہ انہوں نے تمام اُصول وماٰخذ کو چھوڑ محض اپنی دماغی اُپج اور ذہنی اختراع کو امام بنایا ہے جس سے دُور رہنے میں ہی مسلمانوں کی سلامتی کا راز مُضمر ہے۔ واللہ الهادی إلی سواء السبیل

محمد احمد مصباحی

۲ صفر ۱۴۱۶ھ/۲ جولائی ۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

فتنہ انکارِ حدیث

ربّ کائنات کا سچا دین، اسلام روزِ اوّل ہی سے مخالفت و معاندت کا نشانہ بنا ہوا ہے، خارجی فتنوں کے علاوہ اس کو ہمیشہ اور ہر دَور میں داخلی فتنوں سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا ہے، رَفض وخُروج اور اعتزال جیسی مُہلک دراڑیں ابتدا ہی سے اس مضبوط قلعے کو کمزور کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن ﴿وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) فرمانے والے ربّ نے "ہر فرعونے را موسیٰ" کا انتظام کیا ہے۔

نکالیں سینکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر اب بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

(شفیق)

انہی فتنوں سے ایک فتنہ انکارِ حدیث کا بھی ہے۔ علماءِ اسلام نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے، اور تاہنوز غلط اندیشی کی دلدل میں پھنسی ہوئی ٹولی کو صراطِ مستقیم کی جانب حکیمانہ ہدایات کا یہ کام جاری و ساری ہے۔ اس عنوان پر تحقیق و تدقیق کرنے والے محققین کے علوم مبارکہ کی خیرات کا یہ متمنی راقم الحروف عرض گزار ہے کہ:

سنّت متعلق ہے رسول اللہ ﷺ سے، اور شریعت نام ہے شارع ﷺ کے احوال و اقوال و اعمال کا، لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے تعلق ہو اور حضور کی سنّت سے بے تعلقی پائی جائے"۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ توجہ شے رسول اللہ ﷺ کی حیثیت اور آپ کا مرتبہ ہے۔ یہ عقیدۂ اسلام کی اوّلیات میں ہے کہ خُدا اور بندہ کے درمیان نبی اور رسول واسطہ اور و ہوتے ہیں، اور تمام اَدیانِ سماوی اِسی بنیادی عقیدہ کے پابند ہیں، نیز وحیِ الٰہی رسولانِ عظام پر نازل ہوتی رہی اور وہ قوم کے سامنے اس کی تلاوت کرتے اور احکامِ الٰہیہ کی توضیح وتشریح فرماتے، یہاں تک

ایک نکتہ نہایت اہم ہے کہ قوم کا بلاواسطہ خُدائے تعالیٰ، ملائکہ اور وحی سے کوئی تعلق نہیں، ان سب کا واسطہ عظیم، انبیاءِ کرام اور رسولانِ عظام علیہم السلام ہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ اور ایمان بالوحی ان سب کا مدار جب صرف زبانِ رسول ہے جیسا کہ ارشادِ ربّی ہے:

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا﴾ (النساء:٤/١٣٦)

اور جو منکر ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور روزِ قیامت کا وہ کُھلی گمراہی میں چلا گیا۔

تو اب شریعت و سنّت میں یہ بے اعتباری کے جراثیم کہاں سے گُھس آئے۔ ایمان واعتقاد تو اعمال کی اصل ہیں جن کے بغیر کسی بھی عمل کا کوئی وقار نہیں۔ یاد رہے کہ ایمان اس کے بغیر ایمان ہی نہیں کہ رسول آخر الزماں ﷺ کو اعتقاد و اعمال تمام میں مرکزیت نہ دے دی جائے۔ ذاتِ رسول ہی ایمان کا وہ معیار ہے جس پر مومن اور کافر پرکھا اور آزمایا جاتا ہے۔ اسی "معیار" پر کھرے کھوٹے کی جانچ ہوتی ہے۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:٤/٦٥)

تو ہرگز نہیں، آپ کے ربّ کی قسم لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے، جب تک اپنے تمام نزاعات میں آپ کو حاکم نہ تسلیم کرلیں پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور آپ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرنے کا حق ادا کریں۔

دیکھا آپ نے! وہی قرآن جسے لوگ (العیاذ باللہ) رسول پاک ﷺ سے برگشتہ سمجھتے ہیں "شانِ رسول" بیان فرما رہا ہے اور ظاہر کر رہا ہے کہ ان کے ہر فیصلہ اور ہر حکم کو ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش رکھے بغیر تسلیم کرنے کا نام ہی ایمان ہے جس کے اندر یہ نہیں وہ اپنے ایمان کا احتساب کرے، مفسّرِ قرآن پیر کرم شاہ آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول کریم ﷺ کی غیر مشروط اِطاعت واتباع کو پھر، نہایت، واضح، مؤکد اور مؤثر پیرایہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے، واؤ قسم کے لیے ہے، نفی ایمان کی دلالت کرنے کے لیے لانفی کو دوبارہ ذکر کیا

ہے۔ ایک بار قسم سے پہلے اور دوسری بار قسم کے بعد یعنی تیرے ربِّ جلیل کی قسم، وہ ہرگز ہرگز ایماندار نہیں ہوسکتے۔ اگر ایک لائے نفی پر اکتفا کیا جاتا تو عبارت لغوی لحاظ سے تو درست ہوگی لیکن یہ زورِ بیان مفقود ہوتا۔ امام ابن جریر وغیرہ کا قول ہے کہ اس آیت کا تعلق بھی واقعہ سابقہ (ایک یہودی اور منافق کے مقدمہ جس میں حضور نے یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا جس کے بعد منافق حضرت ابوبکر اور عمر کی خدمت میں گیا اور حضرت عمر نے اس کی گردن ماردی) سے ہے۔ اور یہ حکم بھی حضور کی ظاہری حیات تک نہیں، بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ ہر شخص کے لیے ہے اور یہی ایمان کی اساس ہے۔ جو شخص اطاعتِ رسول سے سرتابی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قسم سے مؤکد کرکے یہ فیصلہ دیتا ہے کہ وہ مومن نہیں، وہاں تو وہی اطاعت قبول ہے جو اس کے رسول کے اتباع اور پیروی میں ہو، اور وہی مطیع مطیع ہوگا جو مصطفی ﷺ کی غلامی کا طوق زیبِ گلو کیے حاضر ہوگا۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار (تفسیر ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۳۰۶)

منصبِ رسالت:

رسول اکرم ﷺ قرآن کو لانے والے بھی ہیں، اور قرآن کی تلاوت فرما کر سنانے کے ساتھ ساتھ اس کے رموز واسرار کو سمجھانے والے بھی ہیں۔ حُجیتِ حدیث اور سنت کی آئینی حیثیت کی تفہیم کے لیے حضور اکرم ﷺ کی اِن حیثیات کا قرآن ثبوت پیشِ نظر رہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعہ:۶۲/۲)

وہی (اللہ) ہے جس نے ان پڑھوں میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجا، کہ وہ اُن پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انھیں پاک کرتے ہیں، اور ان میں کتاب اور حکمت کی تعلیم عطا فرماتے ہیں۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (آل عمران:۳/۱۶۴)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر، کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتا، اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۲/۱۵۱)

جیسا ہم نے بھیجا ایک رسول تم میں سے، کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے، اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

حضور اکرم ﷺ دعاءِ خلیل اور نویدِ مسیحا ہیں۔ قرآن مجید میں دعاءِ ابراہیمی کے مبارک الفاظ پر بھی غور فرمایئے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (البقرہ: ۲/۱۲۹)

اے ہمارے ربّ! مبعوث فرما ان میں انھیں میں سے ایک رسول جو اُن پر تیری آیتیں پڑھے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک فرمائے۔

تلاوت، تعلیم اور تزکیہ:

تینوں الگ الگ چیزیں ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی منصبی ذمہ داریوں میں سے ہیں۔ ان تینوں کاموں کے لیے صرف قرآن مجید کے الفاظ مبارکہ کا پڑھ دینا کافی نہیں ہوسکتا۔ تلاوتِ قرآن کے علاوہ یقیناً تعلیم اور تزکیہ الگ کام ہیں جن کے لیے حضور ﷺ کی بعثت ہوئی۔ تلاوتِ قرآن مجید بذاتِ خود بھی ایک اہم ذمہ ہے اور بے شمار فوائد دینیہ پر منتج ہے مگر آیات مبارکہ میں نہایت فصاحت، اور لاریب طریقہ سے حضور اکرم ﷺ کا مُعلّم اور مُزکّی ہونا بتایا گیا ہے۔ فی الوقت عمیق نظر سے صرف ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ، وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ پر غور کرنا ہے۔

کیا منکرینِ حدیث کی طرح صحابہ کرام، تابعین اور اسلام کی عبقری شخصیتوں نے بھی مُعلّمِ کتاب، اور مُعلّمِ حکمت کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ حضور ﷺ صرف تلاوتِ قرآن فرمانے کے ذمہ دار ہیں، اور زبانِ رسالت سے نکلے ہوئے الفاظ مبارکہ میں سے صرف قرآن ہی حُجتِ شرعیہ ہے، جمہور علماءِ اُمّت جواب تک سنّت کو بھی آئین کا ماخذ قرار دیتے ہیں گویا وہ حقیقت کی کُنہ تک رسائی نہ پا سکے تھے، اب دَورِ جدید کے ذہنوں نے یہ عقدہ حل کیا ہے؟ قابلِ غور ہے کہ رسول کی بعثت اگر صرف بحیثیت ایک قرآن خواں کے تھی، تو قرآن مجید کعبہ کی دیواروں سے اہلِ مکہ کو نہ سُنوا دیا جاتا؟ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر شجر کے ذریعہ کلام ہوا۔ یا صحیفہ کاملہ کوئی فرشتہ نورانی لاکر کعبہ کی چھت پر اُتار دیتا اور کہتا کہ اے مکہ والو! لو یہ خدا کی کتاب ہے۔ اس میں جو کچھ ہے پڑھ کر خود مطلب سمجھ لو، کیونکہ تمہاری زبان خود عربی ہے، اور قرآن مجید بھی عربی زبان میں ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ انسانوں میں سے رسول بھیجا تاکہ انسانوں کے مسائل حل کرے اور قرآن مجید کی تشریح وتفسیر وخود قولاً وعملاً کر کے دکھادے۔ کیوں نہ ہو کہ وہ رسول خُدا کا نائب ہے۔ لہٰذا اُصولِ دین سمجھانے میں بھی وہ نیابت کا حق ادا کرتا ہے۔

قرآن میں دیکھئے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾ (النحل:۱۶/۴۴)

اور اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار کتاب (قرآن) اُتاری، کہ تم لوگوں پر واضح کردو، جو اُن کی طرف اُترا تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

یہ آیۂ کریمہ رسول اکرم ﷺ کو قرآن مجید کا مُفسّر، شارح، اور وضاحت کرنے والا ثابت کررہی ہے کیونکہ تبیین معانی اور مفاہیم کی ہوتی ہے۔ الفاظِ قرآن کی تلاوت اور قرأت ہوتی ہے ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ﴾ سے بھی قرآن مجید کے عُلوم ومعارف ہی مراد ہیں، تو ثابت ہوا کہ:

......رسول اکرم ﷺ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ہیں۔

......رسول اکرم ﷺ قرآن مجید کے رموز واسرار کی توضیح وتبیین کرنے والے ہیں۔

......رسول اکرم ﷺ علم وحکمت کی تعلیم دینے والے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ ہم جو کچھ جانتے تھے وہ سب کچھ بتانے والے ہیں۔ اس مقام پر کوئی ذہن یہ سوچ سکتا ہے کہ کیا حضور اکرم ﷺ قرآن کی توضیح وتشریح اپنے جی سے فرمانے والے ہیں۔ عام انسان جس طرح کسی بات کا اپنے ذہن اور علم کے مطابق مطلب نکالتا ہے، اس میں اور توضیح وتشریحِ رسول میں کیا فرق ہے؟ غور وفکر کا یہی غیر سنجیدہ طریقہ ہے جو ضلالت وگمراہی کے دروازے کھولتا ہے اور اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی آتشِ جہنم کا ایندھن بناتا ہے۔

رسول کے تشریعی اختیارات:

رسول زمین پر خُدا کا نائب ہے۔ احکام، تشریع اور تمام فیصلوں میں وہ ربّ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ اس کے اعمال، ارشادات، یا کسی کے فعل کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرلینا ہی اسلامی قانون سازی کی بنیادیں ہیں۔ دیکھو ربّ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اپنی عطا سے جو اختیارات تفویض فرمائے ہیں اُن کا بیان کس طرح کرتا ہے:

﴿وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الاعراف:۷/۱۵۷)

اور اللہ کا رسول اُن کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام فرماتا ہے۔

ارشادِ ربّ العالمین ہے:

﴿وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ ط وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا﴾

(الاحزاب:۳۳/۳۶)

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور رسول کچھ حکم فرمادیں تو انھیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا، وہ بے شک صریح گمراہی میں بہکا۔

اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں حضرت علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ ''خزائن العرفان'' میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ آیت زینب بنت جحش اسدیہ اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش اور ان کی والدہ اُمیمہ بنت عبد المطلب کے حق میں نازل ہوئی، اُمیمہ حضور سید عالم ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

واقعہ یہ تھا کہ زید بن حارثہ جن کو رسول کریم ﷺ نے آزاد کیا تھا، اور وہ حضور ہی کی خدمت میں رہتے تھے۔ حضور نے ان کے لیے زینب کو پیغام دیا۔ اس کو زینب نے اور ان کے بھائی نے منظور نہیں کیا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور حضرت زینب اور ان کے بھائی اس حکم کو سُن کر راضی ہوگئے اور حضور سید عالم ﷺ نے زید کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا۔ اور حضور نے ان کا مہر دس دینا ساٹھ درہم ایک جوڑا کپڑا پچاس مد (ایک پیمانہ ہے) کھانا تیس صاع کھجور دیں۔

مسئلہ...... اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہر امر میں واجب ہے، اور نبی علیہ السلام کے مقابلہ میں کوئی اپنے نفس کا بھی خود مختار نہیں۔

مسئلہ...... اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

(خزائن العرفان، تحت آیت مذکورہ بالا ص ۶۱۲)

آیت مبارکہ اور شانِ نزول کا بغور مطالعہ فرمایئے اور رسول اکرم ﷺ کے من جانب اللہ مفوضہ اختیارات کا جلوہ دیکھئے، یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ کسی عورت یا کسی مرد کا شخص مخصوص کے ساتھ نکاح کرنا فرض نہیں ہے۔ یہ ایک مرضی اور منشا کی بات ہے مگر اسی بات کو اگر رسول خود فرما دیں تو وہی امر مستحب و مندوب واجب بن جاتا ہے۔ یہ وقار اور عظمت ہے زبانِ رسالت مآب ﷺ کی اور ذرا آیت مبارکہ کا تیور دیکھئے کہ ایسے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کے حق میں وہی الفاظ ذکر فرمائے گئے ہیں جو اسی قرآن عظیم میں گمراہوں، بدمذہبوں کے حق میں وارد ہوئے ہیں، اور ایک رُخ اور بھی قابل توجہ ہے کہ فرامینِ رسول اور احکامِ مصطفیٰ ﷺ کو حکمِ ربّ کے سوا کچھ اور نہ خیال کیا جائے بلکہ مرضی رسول ہی مرضیٔ خدا ہے احکامِ مصطفیٰ ہی اَحکام کبریا ہیں۔ اس لیے کسی فاسد ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ یہ نکاح واجب تو نہیں تھا۔ ہاں بات تو ایسی ہی ہے مگر اس مستحب کام کا حکم جب رسولِ خُدا نے فرما دیا تو اب وہ تمہارے حق میں واجب ہوگیا۔ اس لیے کہ رسول احکامِ شرعیہ کے بتملیکِ خُدا مالک ومختار ہیں۔

سورۂ توبہ میں ایک مقام پر ارشادِ ربّ العالمین ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ (التوبہ: ۹/۲۹)

لڑو اُن سے جو ایمان نہیں لائے اللہ اور نہ پچھلے دن پر اور حرام نہیں مانتے اُس چیز کو جس کو حرام کر دیا ہے اللہ اور اُس کے رسول نے۔

یہ آیت کریمہ بھی بانگ دُہل اعلان کر رہی ہے کہ حِلّت وحُرمت کا اختیار رسول اعظم واکرم ﷺ کو بھی ربّ کائنات نے عطا فرمایا ہے۔ سطور بالا میں یہی مفہوم سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ سے بھی صاف متبادر ہے۔

رسول جو دیں وہی شریعت ہے:

خُدا اور خُدائی کے درمیان رسول اس مستحکم رابطۂ عظمیٰ کا نام ہے جس پر عدم اعتماد کی ہلکی سی لکیر بھی دین وایمان کے سارے قلعہ کو انہدام تک پہنچا دے گی۔ ان دیکھے ربّ پر ایمان اور اعتماد کا واحد ذریعہ ذاتِ رسول ہے۔ اور وہ ذات، الٰہی تربیت سے اس طرح مستحکم اور پائیدار ہے کہ احکام دین و شرع کی تبلیغ میں اس سے کسی قسم کا سہو ونسیان ناممکن ہے، وہ خُدائی اوامر ونواہی کو مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہ اُمّت تک پہنچاتے ہیں۔ مخلوق کو اس پر کیسا اعتماد رکھنا چاہئے اس کے لیے خالقِ کائنات کا مستحکم اعتماد مشعلِ راہ ہے۔

ارشادِ ربّ العالمین ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر: ۵۹/۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

توجہ فرمائیں ان کی عطا پر راضی رہنے کا نام ایمان ہے اور ان کے ممنوعات سے لاپروائی کرنے کا نام ہی معصیت ہے، جس نے اُن کے اوامر ونواہی سے رُوگردانی کی اس کو خُدائی عذاب کی تہدید قرآن مجید کی زبان سے سُنائی جا رہی ہے۔

حضرت العلامہ امام عبدالوہاب شعرانی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں شیخ اکبر قدس سرہٗ سے نقل فرماتے ہیں:

أی لأنّی جَعَلْتُ لَہٗ اَنْ یَّأْمُرَ وَیَنْھٰی زَائِدًا عَلٰی تَبْلِیْغِ صَرِیْحِ اَمْرِنَا وَ نَھْیِنَا اِلٰی عِبَادِنَا (کتاب الیواقیت والجواھر، للامام شیخ عبد الوھاب شعرانی، ج ۲ ص ۴۵)

یعنی، بے شک میں نے (اللہ تعالیٰ) اپنے حبیب کو یہ درجہ عطا فرمایا ہے کہ آپ ہمارے صریح امر ونہی سے زائد امر اور نہی فرمائیں۔

تشریعی اختیارات کی مثالیں:

سرور عالم ﷺ کی تشریعی اختیارات کے جلوے ذخیرۂ احادیث میں وافر ملتے ہیں:

حضور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا، پس حج کرو، ایک شخص نے عرض کیا، کیا ہر سال یارسول اللہ! آپ خاموش رہے حتی کہ اس شخص نے تین بار یوں ہی کہا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲۲۱)

اگر میں ہاں فرما دیتا تو حج ہر سال کے لیے واجب ہو جاتا اور تم لوگ اس کی طاقت نہ رکھتے۔

حدیث مبارکہ کے مذکورہ الفاظ مبارکہ کی شانِ جلالت پر غور فرمایئے اور طمطراقِ نبوّت کو ملاحظہ فرمایئے۔ صحابیٔ رسول کے یہ پوچھنے پر کہ کیا ہم پر ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ حضور اقدس ﷺ کا سکوت اُمّت کو ایک ناقابل برداشت ذمہ داری سے سبکدوش فرما رہا ہے۔ برخلاف اس کے اگر وہی لب ہائے مبارکہ محض ہاں فرما دیتے تو قیامت تک آنے والے تمام مُستطیع اہلِ اسلام کو سالانہ حج کرنا واجب ہو جاتا۔ شیخ محقق علامہ الشاہ عبدالحق مُحدّث دہلوی قدس سرہٗ اس حدیث کے تحت ''اشعۃ اللمعات' میں رقمطراز ہیں:

ظاہراً ایں حدیث دراں است کہ احکام مفوض اند بآں حضرت (ﷺ) (اشعۃ اللمعات للعلامہ الشیخ عبد الحق المحقق الدہلوی ج ۲ ص ۳۰۲)

یعنی، یہ حدیث اس بارے میں ظاہر ہے کہ احکامِ الٰہی حضور قدس ﷺ کے سپرد ہیں۔

حضور نے مدینہ کو حرم بنا دیا:

اسی طرح حضور اقدس ﷺ نے اپنے تشریعی اختیارات کا استعمال فرماتے ہوئے مدینہ کو حرم قرار دیا چنانچہ ''صحیحین'' میں حضرت انس صحابیٔ رسول ﷺ و رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: (ایک سفر کے دوران) نبی اکرم ﷺ کے سامنے اُحد پہاڑ ظاہر ہوا تو حضور نے فرمایا ''یہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے۔ اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم بنا دیا:

وَاِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَابَتَیْھَا (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۴۰)

اور دو پہاڑیوں کے درمیان جو (مدینہ) ہے میں اسے حرم بناتا ہوں۔

اسی کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ''صحیح مسلم شریف'' میں نقل کیا ہے۔ رسول اکرم واعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرام کر کے حرم بنا دیا۔ اور میں نے مدینہ کے دونوں کناروں کو جو کچھ ہے اس حرم بنا کر حرام کر دیا کہ اس میں کوئی خون نہ بہایا جائے۔ نہ لڑائی کے لیے ہتھیار اٹھائے جائیں اور نہ کسی درخت کو کاٹا جائے سوائے جانوروں کو چارہ دینے کے لیے۔

اس حدیث پاک میں بھی ہمارے مُستدل یہ الفاظ مبارکہ ہیں:

اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَۃَ حَرَامًا (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۳۹)

جو حضور اقدس ﷺ کے تشریعی اختیارات کو ثابت کر رہے ہیں۔

اسی طرح فتحِ مکہ کے موقع کی حدیث مبارکہ جسے ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم' دونوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے مفہوم حدیث سامنے رکھیے۔

اِذخر کو مستثنیٰ فرمایا:

سرورِ عالم ﷺ نے فتحِ مکہ کے روز فرمایا کہ ''یہ وہ شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس دن حرم بنایا جب زمین اور آسمانوں کو پیدا فرمایا ہے۔ پس وہ تا قیامت اللہ کی حُرمت سے حرام ہے اور یقین رکھو

کہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس میں جنگ کرنا حلال نہیں کیا۔ اور میرے لئے بھی دن کی ایک ساعت ہی میں حلال کیا۔ لہٰذا وہ اللہ کے حرام کرنے سے تاقیامت حرام ہے۔ اس کا ایک کانٹا نہ کاٹا جائے نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اٹھائے کوئی اس کی گری ہوئی چیز کو، سوائے اس کے جو اس کا اعلان کرے اور نہ اس کی گھاس قطع کیا جائے'' تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! مگر اذخر گھاس (کو استثناء فرمائیے) اس لیے کہ وہ گھاس لوہاروں اور لوگوں کے گھروں کے کام آتی ہے۔

فَقَالَ: إِلَّا الْإِذْخَرَ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۳۸)

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِذخر کے سوا (یعنی وہ مستثنیٰ ہے)۔

اس حدیث پاک پر اپنی جانب سے کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے دو مشہور و مُحقق شارحینِ حدیث کے اقوال نذرِ قارئین ہیں:

امام عبدالوہاب شعرانی ''میزان الکبریٰ'' میں گوہر فشاں ہیں:

حق تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو یہ منصب عطا فرمایا کہ شریعت میں جو حکم چاہیں اپنی جانب سے مقرر فرمادیں۔ جس طرح حرم کے نباتات کو حرام کرنے والی حدیث میں ہے کہ حضور کے چچا عباس نے عرض کی یارسول اللہ! اذخر گھاس کو اس حکم سے نکال دیجئے۔ تو حضور نے اذخر کو اس حکم سے نکال دیا یعنی اس کا کاٹنا جائز کردیا۔

وَلَو أنَّ اللّٰه تعالیٰ لَم يَجْعَلُ لَه أن يشرع مِن نفسِه لم يتجرا ﷺ أن يستثنى شيئاً مما حرّمهُ الله تعالیٰ (میزان الشريعة الكبرىٰ، ج ۱ ص ۲۸)

اور اگر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ منصب نہ دیا ہوتا کہ اپنی طرف سے جو شریعت چاہیں مقرر فرمادیں تو حضور ہرگز جرأت نہ فرماتے کہ جو شئے خُدا نے حرام کردی اس میں سے کچھ مستثنیٰ کردیں۔

مُحقق عصر علامہ شاہ عبدالحق مُحدِّث دہلوی قدست اسرارہم اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

در مذہب بعضے آن است کہ احکام مفوض بود، بوے ﷺ، ہر چہ خواہد و بر ہر کہ خواہد

حلال وحرام گرداند (اشعة اللمعات، ج ۲ ص ۳۸۵)

یعنی بعض حضرات کا مذہب ہے کہ احکام حضور اقدس ﷺ کو سپرد ہیں، جو کچھ اور جس پر چاہیں حلال وحرام فرمادیں۔

خصوصی مراعات دینے کا اختیار:

چنانچہ ''ترمذی'' و ''ابن ماجہ'' میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر اُمت کی مُشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی دو تہائی یا نصف شب تک مؤخر کردیتا''۔

اور عقبہ بن عامر کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے انھیں اس کام کا حکم دیا کہ صحابہ میں قربانی کی بکریاں تقسیم کردیں۔ انھوں نے حسبِ فرمانِ رسالت مآب بکریاں تقسیم فرمادیں۔ ایک بکری باقی رہ گئی جو ابھی چھ ماہ کی تھی۔ انھوں نے سرکار کے حضور اس کا ذکر کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے عقبہ بن عامر کے حق میں خصوصی حکم نافذ کردیا:

ضَحِّ بِهِ أَنْتَ (مشكوٰة المصابيح، ص ۱۳۷)

اس کو تو اپنی طرف سے قربانی کرلے۔

حالانکہ سارے عالمِ اسلام کے لیے حضور اقدس ﷺ ہی نے قانون مرحمت فرمایا ہے کہ ایک سال سے کم کی بکری کی قربانی جائز نہیں ہے۔ مگر مختار کونین جس کو چاہیں عام احکام سے استثناء عطا فرمادیں۔

پانچویں مثال:

اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ الآية﴾ نازل ہوئی جس میں ربِّ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنے، اچھے کام میں حضور کی نافرمانی نہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مردوں کو بین نہ کرنے پر حضور اقدس ﷺ سے بیعت کا حکم تھا۔ اُمِ عطیہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کی کہ یارسول اللہ! فلاں گھر والوں کو نوحہ کے اس حکم سے مستثنیٰ فرمادیجئے۔ کیونکہ انھوں نے جاہلیت کے زمانے میں میری مدد کی تھی، پس ضروری ہے کہ میں رونے میں اُن کی مدد کروں اس پر رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا:

إِلَّا آلَ فُلَانٍ (صحیح مسلم، ج ۱ ص ۳۰۴)

آلِ فلاں کے علاوہ۔

یہ حضور اقدس ﷺ کے خصوصی اختیارات کے مظاہر ہیں کہ نوحہ گری معصیت اور گناہ کا کام ہے مگر جسے چاہا اس حکم سے الگ فرما دیا امام ابوزکریا محی الدین ابن شرف نووی "شرح" میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ اس بات پر محمول ہے کہ حضور اقدس نے اُمِّ عطیہ کو آلِ فلاں کے بارے میں خاص رُخصت عطا فرمائی تھی، جیسا کہ ظاہر ہے:

وللشّارعِ أن یختصَّ من العمومِ ماشاءَ (شرح مسلم للنووی، ج۱ ص ۳۰۴)

اور شارع کو اختیار ہے کہ عام حکموں سے جو چاہیں خاص فرما دیں۔

چھٹی مثال:

ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کیا ہوا؟ کہنے لگا میں نے رمضان میں بحالتِ روزہ اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی حضور نے دریافت فرمایا کیا غلام آزاد کر سکتے ہو؟ اُس نے عرض کی نہیں حضور نے پوچھا کیا دو ماہ کے متواتر روزے رکھ سکتے ہو؟ اُس نے عرض کی نہیں حضور نے پھر سوال کیا، کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اُس نے عرض کی نہیں حضور ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اتنے میں خدمتِ رسول میں کھجوروں کا ٹوکرا حاضر کیا گیا حضور اقدس نے سائل کو بلوایا اور فرمایا یہ ٹوکرا لے جاؤ اور خیرات کر دو اس نے عرض کیا اے رسولِ خدا! کیا اپنے سے زیادہ کسی محتاج کو خیرات کروں؟ خُدا کی قسم مدینہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج اور کوئی نہیں اس کی یہ بات سُن کر حضور رحمۃ للعالمین ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے پھر آپ نے فرمایا:

أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۶۲)

اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔

عالَمِ اسلام میں زمانۂ نبوی سے قیامت تک جو مسلمان بھی روزے کے زمانے میں اس گُناہ کا

مرتکب ہوگا اس کے لیے کفّارہ کا مذکورہ طریقہ ہی ہے مگر دورِ رسالت کے اس خوش نصیب کے لیے مختارِ کونین مالکِ دارین ﷺ نے خصوصی قانون نافذ فرمایا کہ اگر وہ غلام آزاد نہیں کر سکتے تھے، تو روزہ بھی نہ رکھیں، مسکین کو کھانا بھی نہ کھلائیں بلکہ دربارِ رسالت ﷺ سے خود کھجوروں کا ٹوکرا مرحمت ہوتا ہے اور اس خصوصی رعایت کے ساتھ لے جا کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ مل کر کھالیں تو ان کے لیے گناہوں کا کفّارہ ہو جائے گا۔ (فتح القدیر، ج ۱ ص ۳۹۴)

ساتویں مثال:

اسی طرح ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ: یا رسول اللہ! سالم (آزاد کردہ غلام) میرے سامنے آتا جاتا ہے وہ جوان ہے اور ابوحذیفہ کو یہ ناپسند ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

أَرْضِعِيهِ حَتّٰى يَدْخُلَ عَلَيْكِ (مسلم ج ۱ ص ۴۶۹۔ نسائی ج ۲ ص ۶۹۔ ابن ماجہ ص ۱۴۱)

تم اس کو دودھ پلا دو تا کہ وہ آتا جاتا رہے۔

قانونِ شرع کے مطابق کسی جوان مرد کو عورت کا دودھ پینا جائز نہیں ہے اور اگر پی لے پھر بھی اس سے رضاعت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ مگر وہ مختارِ قوانینِ شرع ﷺ اپنے خصوصی اختیارات سے سالم مولیٰ کے حق میں جو حکم فرما دیں اس کی رُو سے وہ رضاعی بیٹے ثابت ہو گئے۔ اور تمام اُمّہات المؤمنین کی شہادت موجود ہے کہ یہ رُخصت سرورِ دو عالم ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ سالم کو عطا فرمائی ہے۔

آٹھویں مثال:

رسول اکرم ﷺ کی شہزادی، سیدنا ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ، حضرت بی بی سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوۂ بدر کے موقع پر سخت علیل تھیں۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم مرحمت فرمایا کہ وہ مدینہ طیبہ ہی میں رہیں اور سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کریں اور فرمایا کہ:

إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَ سَهْمَهُ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۶۲)

تمہیں حاضرینِ بدر کا ثواب بھی ملے گا اور مالِ غنیمت کا حصہ بھی۔

یہ اختیارِ سیّدِ کونین ﷺ کہ حضور نے غزوۂ بدر میں شرکت کے بغیر جہاد کا ثواب اور مالِ غنیمت کا حصہ دار قرار دیا۔ اسی قبیل سے حضرت خُزیمہ بن ثابت انصاری کی تنہا شہادت (گواہی) کو دو شہادتوں کے برابر قرار پانا سرورِ دوعالم ﷺ کے فرامین خصوصی میں سے ہے۔ انہی حضرت خزیمہ کی روایت موزوں پر مسح کے سلسلہ میں ہے کہ:

نویں مثال:

رسول اللہ ﷺ نے (مسح موزہ) کی مدت تین رات مقرر فرمائی:

وَلَوْ مَضَى السَّائِلُ عَلٰى مَسْئَلَتِهٖ لَجَعَلَهَا خَمْسًا (سنن ابن ماجه، ص ۴۲)

اور اگر پوچھنے والا اپنے سوال سے بڑھتا جاتا، تو ضرور حضور پانچ کر دیتے۔

''شرح معانی الآثار'' میں اسی بات کو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے بالفاظ دیگر روایت کیا کہ:

وَلَوِ اسْتَزَدْنَاهُ لَزَادَنَا (شرح معانی الآثار، ج ۱ ص ۴۲)

اگر ہم آپ سے زیادہ مانگتے تو آپ مدت اور بڑھا دیتے۔

اِن احادیث نے کیا مزاج دیا:

کوئی شخص یہ الزام نہ دے کہ احادیث مذکورہ کے یہ مطالب صرف دَورِ حاضر کے علماءِ اہلسنّت بیان فرماتے ہیں حاشا وکلّا ایسا کہنا دَورِ رسالت پناہ سے آج تک کی تمام تواریخ شرائع واحکام کو بیک زبان مسخ کرنا ہے اور دین ومذہب کے ذخائر اور مآخذ ومراجع سے محض بے خبری کی دلیل ہے کیونکہ تمام غوّاصانِ بحرِ تفسیر وحدیث، فقہاء ومُحدّثین، ائمہ ومجتہدین رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کے بعد سنّت ہی کو دین وشرع کا مدار سمجھا اور مانا ہے، اور صاحبِ سنّت ختم الرُّسل سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مالک ومختارِ احکام، بتفویضِ الٰہی تسلیم کیا ہے۔ قرآن کتابِ الٰہی ہے اس لیے دین وشریعت کی اولین بنیاد ہے۔ قرآن کے ذریعہ احکامِ الٰہیہ جاری ہیں سنّت، قرآن کے بعد دوسرا ماخذ ہے۔ اس کو دلیلِ شرع تسلیم کرنا ہی رسول کو شارع ماننا ہے۔

علامہ شیخ احمد قسطلانی شارح بخاری حضور کے خصائص کے ضمن میں لکھتے ہیں:

من خصائصه عليه الصلاة والسلام أنه كان يخص مَنْ شَاءَ بِمَا شاءَ (المواهب اللدنيه، بحواله، انوار محمدية، ص ۳۱۹)

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص عالیہ میں سے ہے کہ جسے چاہتے جس حکم سے خاص کر دیتے۔

سلطان المحققین حضرت العلامۃ الشاہ عبدالحق مُحدّث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

حضرت رسول اکرم ﷺ، سلطنتِ الٰہیہ کے مُتوَلّی، اور دربارِ خُدا کی جانب سے مقرر شُدہ حاکم ہیں کون ومکاں کے تمام معاملات واحکام آپ کے سپرد ہیں اور کوئی سلطنت آپ کی مملکت وسلطنت سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔ (اشعة اللمعات، ج ۱ ص ۶۴۴)

کسی کے ذہن میں یہ شبہہ نہ درآئے کہ مذکورہ بالا احکامات حضور اقدس ﷺ نے اپنی جانب سے دیئے نہیں بلکہ ربّ تعالیٰ کی جانب سے حضور کو یہ اختیارات بخشے گئے ہیں:

﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (يونس: ۱۰/۱۵)

ردوبدل کروں میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے وحی کی جاتی ہے۔

بہت پیاری بات:

سنّت کی آئینی حیثیت کو سمجھنے کے لیے خود منصبِ رسالت کے تعارف سے واقفیت لازمی اور ضروری ہے۔ اس کے بغیر احادیثِ رسول کی اہمیت اور کتابُ اللہ سے اس کے ارتباط کی نوعیت کو سمجھنا دشوار ہے۔ اسی بات کے پیشِ نظر سطور بالا میں حضور سرورِ دوعالم ﷺ کے تشریعی اختیارات کی عملی مثالیں حدیث کی کتابوں کے حوالے سے پیش کر دی گئیں۔ قرآن مجید سے احادیثِ رسول کے تعلق کو بہت پیارے انداز میں "مقدمہ مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" کے اندر حکیم الاُمّت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ نے تمثیلی زبان میں بیان فرمایا ہے:

اسلام میں کلامُ اللہ کے بعد کلامِ رسول کا درجہ ہے۔ کیوں نہ ہو کہ اللہ کے بعد رسول کا مرتبہ ہے قرآن گویا لیمپ کی بتی ہے، اور حدیث اس کی رنگین چمنی جہاں قرآن کا نور ہے وہاں حدیث کا رنگ

ہے قرآن سمندر ہے، حدیث اس کا جہاز، قرآن موتی ہے اور مضامینِ حدیث اس کے غواص، قرآن اجمال ہے، حدیث اس کی تفصیل، قرآن ابہام ہے حدیث اس کی شرح۔ قرآن روحانی طعام ہے، حدیث رحمت کا پانی، کہ پانی کے بغیر نہ کھانا تیار ہو نہ کھایا جائے، حدیث کے بغیر نہ قرآن سمجھا جائے نہ اس پر عمل ہو سکے۔ قدرت نے ہمیں داخلی خارجی نوروں کا محتاج کیا ہے، نور بصر کے ساتھ نور قمر وغیرہ بھی ضروری ہے۔ اندھے کے لیے سورج بے کار، اندھیرے میں آنکھ بے فائدہ، ایسے ہی قرآن گویا سورج ہے، حدیث مومن کی آنکھ کا نور، یا قرآن ہماری آنکھ کا نور ہے اور حدیث آفتابِ نبوت کی شعاعیں، کہ ان میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو ہم اندھیرے میں رہ جائیں۔

(مراة المناجيح شرح مشكوٰة المصابيح للعلامه أحمد يار خان القادري ج ١ ص ٢)

یقیناً کلامُ اللہ کو کلامِ رسول سے الگ کر کے نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ جرأت اور اُپج یقیناً فتنہ پردازانِ دہر کی ہے ورنہ خود ربِّ کائنات اپنے محبوب اعظم ﷺ ہی کی زبان مبارک کے ذریعہ اپنا مقدس کلام دنیا کو عطا فرما رہا ہے اور متعدد مقامات اسی کلام اللہ میں ایسے بھی ہیں جہاں خود شانِ رسول ظاہر کرنے کے لیے ربِّ تعالیٰ جلّ شانہ اپنی بات کو زبانِ محبوب سے کہلوایا ہے۔

قرآن بھی قولِ رسول ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ الآية، قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا الآية، قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ الآية﴾ جیسی سینکڑوں آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔

حتی کہ ربِّ دوعالم اسی قرآنِ عزیز میں ایک مقام پر قرآنِ مجید کو قولِ رسول فرما رہا ہے:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ O وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ O اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾

(الحاقة: ٦٩/ ٣٨، ٣٩، ٤٠)

تو مجھے قسم اُن چیزوں کی جنھیں تم دیکھتے ہو اور جنھیں تم نہیں دیکھتے، بے شک یہ قرآن ایک معزز رسول کا قول ہے۔

مُنکرینِ سنّت آنکھیں کھولیں، زبانِ رسالت مآب ﷺ کی عظمتوں کا نظارہ کریں، کہ خود ربُّ العالمین اپنے کلام کو، ان کی بات فرما کر زبانِ رسول کا وقار ظاہر فرما رہا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید

قولِ خُدا ہے یہی ہم سارے عالَمِ اسلام کا عقیدہ ہے۔

دوسری طرف آیت کریمہ:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم ٥٣/ ٣-٤)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی، جو انھیں کی جاتی ہے۔

نے یہ عقیدہ راسخ کر دیا ہے کہ سنّتِ رسول بھی خُدا ہی کی باتیں ہیں۔

اسی طرح ربِّ کائنات نے رسول اللہ ﷺ کی رمی کو اسی مقدس قرآن میں اپنی رمی فرمایا ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (الأنفال: ٨/ ١٧)

اور (اے محبوب) وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اور رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک پر صحابہ کرام نے بیعتِ رضوان فرمائی تو اللہ ربُّ العزت نے اسے بعینہٖ اپنے ہاتھ پر بیعت قرار دیا۔ اور بیعت کے بعد نقض عہد کرنے والوں کو وعید شدید سنائی اور بیعت پر عمل کرنے والوں کو اجرِ عظیم کی بشارت سے نوازا۔

سورۂ فتح کی آیت کریمہ تلاوت کیجیے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الفتح: ٤٨/ ١٠)

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تو جس نے عہد توڑا، تو اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

ہوش سے کام لو، اے مُنکرینِ سنّت! اور خود بارگاہِ صمدیّت صاحبِ سنّت ﷺ کی عظمت و بزرگی دیکھو قرآن، جو کلامُ اللہ ہے، خود خُداوند قدوس اسے قولِ رسول فرما رہا ہے۔

زبانِ رسالت کی باتوں کو عام انسانوں کی باتوں پر قیاس نہ کرو، بلکہ حضور کی باتیں وحی ربانی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ اپنے ہاتھ سے جو خاک پھینکتے ہیں اسے خالق کائنات اپنا پھینکنا فرما رہا ہے۔

دستِ رسول کی بیعت خُداوند قدوس کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔

دستِ احمد عین دستِ ذوالجلال — آمدہ در بیعت و اندر قتال

انہی حقائق وکمالاتِ رسول کا اِدراک حاصل ہونے کے بعد ڈاکٹر اقبال نے کہا:

ذرّہٴ عشقِ نبی از حق طلب — سوزِ صدیق و علی از حق طلب
روح را جز عشقِ اوتر رام نیست — عشق کو روزیست اُو را اشام نیست
کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اُو — بحر و بَر دَر گوشہٴ دامانِ اُو

اطاعتِ رسول اطاعتِ خُدا ہے:

اسلام وایمان اور شریعت کے سارے قوانین رسولِ خدا کو مُطاع تسلیم کرنے کے بعد ہی تسلیم کیے گئے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کی اطاعت دراصل خدا ہی کی اطاعت ہے

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ٤/ ٧٩)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

اس آیت کی شانِ نزول ''خزائن العرفان'' میں ہے کہ:

رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی، اس پر آج کل کے گستاخ بددینوں کی طرح، اُس زمانے کے بعض منافقوں نے کہا "محمد ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ ہم انھیں ربّ مان لیں، جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو ربّ مانا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے ردّ میں یہ آیت نازل فرما کر، اپنے نبی ﷺ کے کلام کی تصدیق فرمادی کہ "بے شک رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے"۔(خزائن العرفان، ص ١٣٢)

آج کے مُنکرینِ حدیث اور دیگر باغیانِ رسول فرقوں کے ذہن میں بھی وہی منافقانہ خیالات اُبھر رہے ہیں اور وہ رسولُ اللہ کو اللہ سے الگ اور کتابُ اللہ صاحبِ وحی سے اِلگ کر کے اسلام و شریعت کا شیرازہ مُنتشر کرنا چاہتے ہیں اور یہ سب دشمنانِ اسلام طاقتوں کے ہتھکنڈے اور ان کی مفسدہ پردازیاں ہیں جس طرح اسلام کے دشمنوں نے ہر دَور اور ہر زمانے میں نئے نئے فتنے پھیلا کر اس دینِ حق کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوششیں کیں اسی طرح چند نام نہاد، مذہب بیزار

مسلمانوں کو آلۂ کار بنا کر آج کے زمانے میں بھی "انکارِ حدیث" کی وبا پھیلانے کی کوششیں کی جارہی ہیں مگر......

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (التوبة: ٩/ ٣٢)

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا، پڑے بُرا مانیں کافر۔

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـئُوْا نُوْرَ اللّٰـهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (الصف: ٦١/ ٨)

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھادیں، اور اللہ اپنا نور پورا کرنے والا ہے اگرچہ بُرا مانیں کافر۔

انکارِ حدیث کے فتنے کو بھی علماءِ حق نے دلائل و براہین کی قوت سے کُچل کر رکھ دیا ہے۔ حُجیتِ حدیث، حضور اکرم ﷺ کے تشریعی اختیارات اور تدوینِ حدیث کے عنوان پر بے بہا لٹریچر تیار ہوچکے ہیں جن سے یہ موہومہ بھی ہوا ہو گیا اور مُنکرینِ حدیث اپنی موت آپ مر گئے۔ یہ سب ربِّ کائنات کا فضل واحسان ہے۔

کہیں پھونکوں سے بجھتی ہے تجلّی نورِ ایمان کی — ہوا روکے تو کشتی تیز جاتی ہے مسلماں کی

قرآن اجمال ہے حدیث اس کی تفصیل:

قرآن اجمال ہے اور سنّت اس کی تفصیل، گویا رسول کریم ﷺ کلامِ الٰہی کے شارحِ حقیقی ہیں اور خُدا کی باتوں کو محبوبِ خُدا سے زیادہ سمجھ بھی کون سکتا ہے؟ منکرینِ حدیث کا یہ خیال باطل کہ قرآن جب خود مکمل کتاب ہے تو ہمیں حدیث یا کسی اور علم کی ضرورت کیا؟ جواباً عرض ہے کہ یقیناً قرآن جامع العلوم ہے، ہر لحاظ سے کامل ہے مگر اس کامل ومکمل کتاب سے لینے کے لیے کامل شخصیت بھی درکار ہے۔ وہ کامل ذات، افضلُ الخلق سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

یہ اعتراض بھی سامنے آتا ہے قرآن مجید کو خود ربّ تعالیٰ نے آسان فرمایا ہے۔ یہ بات بھی

درست ہے مگر ''لِلذِّکر'' کی قید بھی ساتھ میں ہے۔ چنانچہ ہم شب و روز مشاہد کرتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی قرآن مجید کو حفظ کر لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ مگر اس کے معانی اور مفاہیم تک رسائی کے لیے ''اُولُو الْعِلْمِ ۔قَانِتِیْنَ فِی الْعِلْمِ'' کی شرطیں بھی لگی ہوئی ہیں چنانچہ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے علم وشعور کا نور حاصل فرمانے والے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے کہ اگر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کروں تو ستر اونٹ کتابوں سے بوجھل ہو جائیں۔ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآن میں وہ دقّتِ نگاہ حاصل ہے کہ فرمایا "اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو تو اسے قرآن میں ڈھونڈ لوں" مگر علوم ومعارف کا بحر ذخّار اپنے سینوں میں موجزن رکھنے والے ان اُولُو العزم صاحبانِ کمال نے کبھی بھی حدیثِ رسول اور سنّتِ مصطفیٰ سے (صد بار معاذ اللہ) برگشتہ ہونے کا خیال نہیں کیا۔ اور کیوں کر یہ خیال فاسد اُن کے قریب آتا کہ علوم وفنون، شریعت ومعرفت کا سارا خزانہ تو انھیں دربارِ رسول ﷺ سے حاصل ہوا تھا۔

دلائلِ شرعیہ کا منتہا:

محقّقِ عصر علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مقدمہ ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' میں "حُجیتِ حدیث" کو اپنے مخصوص علمی پیرائے میں ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن خُدا کی کتاب ہے واجبُ القبول ہے، یہ کیسے معلوم ہوا؟ اللہ عزّ وجلّ نے آسمان سے لکھی لکھائی جلد بندھی ہوئی کتاب تو نازل نہیں کی۔ اور اگر لکھی لکھائی جلد بندھی بندھائی کتاب اُتارتا تو کیسے معلوم ہوتا کہ یہ کتابِ خُدا ہے کہیں سے بھی اڑ کر آ سکتی ہے۔ کوئی فریب کار کسی خفیہ طریقے سے کہیں پہنچا سکتا ہے۔ اگر جبرئیل یا کوئی فرشتہ لے کر آتا تو کیسے پہچانتے کہ یہ جبرئیل یا کوئی فرشتہ ہے، کوئی جن، کوئی شیطان، کوئی شعبدہ باز یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جبرئیل ہوں، میں فرشتہ ہوں، یہ خدا کی کتاب لایا ہوں۔ غرض کہ رسول کے مُطاع ماننے سے انکار کے بعد، قرآن کے کتابُ اللہ ہونے پر کوئی یقینی، قطعی دلیل نہیں رہ جاتی۔ ساری دلیلوں کا مُنتہا یہ ہے کہ رسول نے فرمایا، یہ خُدا کی کتاب ہے یہ جبرئیل ہیں یہ آیت لے کر آئے ہیں، کتابُ اللہ کی معرفت اور کتابُ اللہ لے کر آنے والے مَلک مُقرّب جبرئیل کی معرفت، قولِ رسول ہی پر موقوف ہے۔ اگر رسول کا قول ہی نا قابلِ قبول

ہو جائے۔ تو کتابُ اللہ کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا۔ غور کیجئے! رسول نے لاکھوں باتیں ارشاد فرمائیں۔ انھیں میں فرمایا مجھ پر یہ قرآن نازل ہوا۔ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مجھ پر یہ سورت نازل ہوئی۔ سُننے والے صحابہ کرام نے ان کو کتابُ اللہ جانا اور مانا اور جن ارشادات کے بارے میں یہ نہیں فرمایا اَحادیث ہوئیں، اب کوئی بتائے ایک منھ سے دو قسم کی باتیں نکلیں۔ ایک قسم مقبول اور دوسری مردود۔ یہ کس منطق سے درست؟ ایک قسم کو مردود قرار دینے کا مطلب ہوگا دوسری قسم کو بھی مردود قرار دینا۔ غرض یہ کہ حدیث کو نا قابلِ قبول ماننے کے بعد، قرآن کا بھی نا قابلِ قبول ہونا لازم ہے۔ (مقدمہ نزهة القاری شرح صحیح البخاری للعلامة المفتی محمد شریف الحق امجدی، ج ۱ ص ۱۰)

عصمتِ انبیاء:

سنّتِ رسول کی اہمیت اور حیثیت کی تفہیم کے لیے، حضور اقدس سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور جملہ انبیاء علیہم اسلام کی شانِ عصمت بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔

حضور اکرم ﷺ کا ہر ہر قدم ربّ تعالیٰ کے احکام، اور وحی کے تابع ہے۔ آپ ربّ ذوالجلال کی مرضی ہی کے تابع ہو کر ہر کام کرتے ہیں، اور آپ اپنی زبان مبارک سے کوئی کلام خداوند قُدّوس کی وحی کے بغیر نہیں فرماتے۔

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ (النجم: ۵۳/ ۳،۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔

دوسرے مقام پر ہے:

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ (الانعام:٦/ ٥٠)

میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے۔

اِن قرآنی انوار سے قلب ونظر روشن کرنے کے بعد اب ہمیں اس سلسلہ کے اہم موضوع انبیاء کرام اور رسولانِ عظام علیہم السلام کی عصمت پر غور کرنا ہے۔ عام انسانوں میں اور انبیاء ورُسُل میں بہت فرق ہے۔ پروردگارِ عالم نے ان حضرات کی حفاظت وصیانت اور عصمت کا قدرتی انتظام فرمایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے معصوم، ہونے پر قرآن مجید اس طرح دلالت کرتا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷/۷۴)
اگر تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی جانب کچھ تھوڑے مائل ہو جاتے۔

انبیاء کرام کے معصوم ہونے پر تمام اُمّت کا اتفاق ہے۔ اِن پاک ذاتوں میں ربّ تعالیٰ نے ایسا صفاء جوہر ودیعت فرمایا ہے جو صرف انہی کے ساتھ خاص ہے، خلافتِ الٰہیہ کا منصبِ عظیم پانے کے لیے وہ مالک حیّ وقیّوم کی طرف سے تیار کیے جاتے ہیں، اسی لحاظ سے ان کے نفوس، اور اجسام بھی افضل ترین ہوتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی نُصرتِ خاص سے انھیں ثابت قدمی کی قوت عظیم بخشی جاتی ہے۔ وہ ہر انسانی کج رَوِی سے پاک، مُنزّہ اور معصوم ومحفوظ ہیں، عصمتِ انبیاء کے مآخذ کی نشاندہی کے طور پر چند اہم حوالے نقل کیے جاتے ہیں۔ جو غزالیِ دَوراں علامہ احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کے مقالہ سے ماخوذ ہیں۔ (از مقالات کاظمی ج۱ ص ۲۶۹، شرح عقائد نسفی ص ۷۳، مفردات امام راغب اصفهانی ص ۲۴۱، مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۹۳، مسائرہ اور اسکی شرح سامرہ ج ۲ ص ۸۱، تعریف الاشیاء للسید شریف الجرجانی ص ۶۵، اقرب الموارد ج ۲ ص ۳۹۱، دستور العلماء ج ۲ ص ۳۲۵)

معیارِ فکر ونظر:

اب ان حقائق کی روشنی میں رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کی جانب جو بھی نظر اٹھے گی، اور سرکار کے اعمال واقوال کے سلسلہ میں جو بھی ذہن سوچے گا، اسے پتہ چلے گا کہ رسول اعظم ﷺ ہر لحاظ سے خُدا کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ اُن کا ہر حکم حکمِ الٰہی ہے۔ اُن کا ہر فرمان فرمودۂ ربّانی ہے۔ اُن کی اطاعت خُدا کی فرمانبرداری ہے اور ان سے بغاوت ربّ تعالیٰ سے اعلانِ جنگ ہے اُن کا مخالف ربّ کا دشمن، اُن کو خُدا سے الگ کرنے اور سمجھنے والا دین ودانش سے دُور اور آلۂ طاغوت ہے۔ انکارِ حدیث یقیناً رسول سے کھلی ہوئی بغاوت ہے جس سے قرآن نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے اور ڈرایا ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ط وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ﴾
(المجادلہ:۵۸/۹)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں مشورہ کرو تو گناہ کرنے، حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو، اور نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔

رسول کی نافرمانی اور رسول سے بغاوت کا تصوّر اسلام سے خروج کا پھاٹک ہے۔ مسلمانو خبردار! اس معاملہ میں خُدا سے ڈرو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، دراصل رسول کی اطاعت ہے۔ اس کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس لیے رسول کے احکام، اقوال اور رضامندی کو زندگی کے ہر موڑ پر ملحوظ رکھو۔ یہی جنت کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔

﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ ط وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ط وَ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ (النساء: ۴/۱۳)
یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا، اللہ اُسے جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں اور یہی بڑی کامیابی ہے۔
اے لوگو! اپنے ایمان کی خیر مناؤ، رسول کا مقام ومرتبہ سمجھو، جاہل کُفارِ مکہ نے بھی یہ کہا تھا کہ: ''کیا رسول تم جیسا ایک بشر نہیں ہے، اگر تم لوگوں نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی تو ضرور خسارہ میں رہو گے''۔

آج مُنکرینِ حدیث بھی سنّت کو اپنے جیسے کسی بشر کی بات سمجھ کر اُسے جھٹلا رہے ہیں۔ اُس وقت قرآن مجید نے کُفار کے اس خیال کی تردید فرمائی اور یہ ثابت کیا کہ رسول کی اطاعت کرنے والے عام انسانوں کی پیروی نہیں کر رہے ہیں بلکہ رسول کی اطاعت دراصل خُدا کی اطاعت ہے۔

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ (النساء: ۴/۷۹)
جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے خُدا کی اطاعت کی۔
ربّ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو ہدایت ورہنمائی کا امام بنایا ہے۔ مسائلِ شرعیہ کا فیصلہ اُن کی صوابدید پر ہی ہوگا۔ اور جو فیصلہ وہ کریں گے وہ خُدائی فیصلہ ہوگا۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ

الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ (النساء: ٤/ ٥٩)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اسلامی حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات پر نزاع ہو تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، یہ بات اچھی ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے۔

''سنتِ خیر الانام'' کے فاضل مصنف پیر محمد کرم شاہ (فاضل ازہر) جسٹس شریعت کورٹ اسلام آباد، پاکستان مذکورہ آیت کریمہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

اِن مختصر سے الفاظ میں قانون و سیاست کے تمام قواعد و ضوابط جس حُسن و خوبی سے سمیٹ کر رکھ دیئے گئے ہیں، اسی میں قرآن کی عظمت کا راز پنہاں ہے یہی چیز اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ کتاب کسی انسان کا نتیجۂ فکر نہیں، بلکہ خود کتاب ہستی کے خبیر و علیم مصنّف کا بے مثل کلام ہے۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو اُن اُصولوں کی تعلیم دی ہے، جن کی برکت سے ہمارا نظام تشریعی، تمام دنیا کے تشریعی نظاموں سے زیادہ ترقی یافتہ، اور ہمارا سیاسی دستور تمام ممالک کے دستوروں سے زیادہ مستحکم ہوسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ پر، اور یومِ قیامت پر ایمان لانے کے بعد ہم پر فرض ہو جاتا ہے کہ ہم اِن اُصولوں پر عمل کریں۔

اِن اُصولوں کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) قرآنِ کریم اور اُس پر عمل، اِسے اطاعتُ اللہ کے لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔
(۲) سنتِ نبی کریم ﷺ کی پیروی جسے اطاعتِ رسول کہا گیا ہے۔
(۳) اپنے (اسلامی) اُمراءِ حکومت کے احکام کی اطاعت سے ہی اجماعِ اُمّت بھی کہا جاتا ہے۔
(۴) اور اگر خلافتِ الٰہیہ کے کارکنوں کے درمیان کسی بات پر اختلافِ رائے ہو جائے تو اس کا تصفیہ کرنے کے لیے کتابُ اللہ اور سنّتِ رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔

(سنت خير الانام، ص ٩٧)

عُروۂ وُثقیٰ:

سنّتِ رسول کو ترک کر کے قرآن مجید کی تفہیم ہی ممکن نہیں، دینِ اسلام کے یہی دو مستحکم ستون

ہیں مذہب و شریعت کی عظیم عمارت جس پر قائم ہے۔ ان دونوں سے تمسک اور تعلق ہی ہدایت یابی کا ذریعہ ہے۔ اور ان میں سے کسی سے لاپرواہی اور بغاوت کا مطلب یہ ہوا کہ دین سے بغاوت کی گئی اور گمراہی اور ضلالت کا دروازہ کُھل گیا۔

علاّمُ الغیوب کے محبوب، رسولِ اکرم ﷺ قبل از وقت مسلمانوں میں اُبھرنے والے متعدد فتنوں کی نشاندہی فرما چکے ہیں، انھیں میں کا ایک فتنہ انکارِ حدیث بھی ہے، چنانچہ زمانۂ انکارِ حدیث جو شدید دورِ فتن ہوگا اس کی نشاندہی فرماتے ہوئے سرکار نے تمسک بالسنّۃ کی اہمیت کس طرح تعلیم فرمائی ہے اسے ملاحظہ کیجئے ''سنن ابوداؤد'' میں عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ اور ایسی بلیغ نصیحت فرمائی کہ ہمارے آنسو نکل آئے، دل لرز گئے، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! گویا یہ جُدا ہونے والے کی نصیحت ہے؟ براہِ کرم کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا ''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں، اور حاکم کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں چاہے تمہارا حاکم کوئی حبشی غلام کیوں نہ ہو''۔

فَإِنَّهُ مَنْ یَعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرَیٰ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ، تَمَسَّکُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَ إِیَّاکُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (سنن أبی داؤد، کتاب السنة، برقم:٤٦٠٧۔ أیضاً سنن الترمذی، برقم:٢٦٧٦۔ أیضاً سنن ابن ماجة، برقم:٤٢۔ أیضاً سنن الدارمی، برقم:٩٥۔ أیضاً المسند، ٤/ ١٢٦)

تو جو میرے بعد زندہ رہا اُمّت میں اختلاف کثیر دیکھے گا۔ لہٰذا تم پر یہ لازم ہے کہ میرے طریقہ، اور میرے خلفاءِ راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو، اسی کو تھامے رہو، اور دانتوں میں سختی سے دبائے رکھو، اور اپنے آپ کو نو پیدا اُمور سے بچائے رکھو، کیونکہ دین میں اختراع شُدہ باتیں بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

گویا فتنہ و فساد کی ایسی آندھیاں چلیں گی جن میں حق وصدات کا دامن مسلمانوں کے ہاتھ سے چھوٹنے کا اندیشہ ہے۔ حکیم غیب داں ﷺ نے اس وقت کے لیے نسخۂ شفا تجویز فرما دیا ہے کہ اس وقت میری سنّت اور میرے خلفائے راشدین کی سنّت کو مضبوطی سے پکڑنا ہی کام آئے گا۔

حضرات خلفاءِ راشدین بھی صحبتِ رسول میں ڈھل کر آئینۂ انوارِ رسالت بن گئے ہیں، اس لیے سنّتِ رسول، تشریحِ قرآن ہے اور سنّتِ خلفاءِ راشدین تشریح و تکمیلِ سنّت، ''ترمذی'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے بیٹے! اگر تم سے ہو سکے تو اس حال میں صبح و شام کرو، کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف کھوٹ اور کینہ نہ ہو'' پھر فرمایا:

يَا بُنَيَّ! وَ ذَالِكَ مِنْ سُنَّتِي، وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَ مَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ (سنن الترمذی، برقم:٢٦٧٨. أيضاً مشكاة المصابيح، برقم:١٧٥)

اے بیٹے! یہ میری سنّت ہے اور جس نے میری سنّت سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

امام حاکم نے سندِ متصل کے ساتھ ابنِ عباس سے طویل حدیث نقل کی ہے، جس کا ایک حصہ حدیثِ رسول کی حُجیت پر دلیلِ قاطع ہے:

إِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوْا أَبَدًا: كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ نَبِيِّهِ (المستدرك للحاكم ج ١ ص ٩٣. أيضاً أخرجه مالك فى "المؤطا" برقم:٣ من كتاب القدر مرسلاً بلفظ آخر)

بے شک میں تم میں دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں کہ اگر انھیں پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے کتابُ اللہ اور اللہ کے نبی کی سنّت۔

جو بھی مسلمان ہے، وہ اپنے دل میں آقا و مولا سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت ضرور رکھتا ہے کیونکہ خُدا کی اطاعت رسول اکرم ﷺ کے اتباع کا نام ہے، اور دین و شرع کا اصل محور ہے ذاتِ محمد رسول اللہ ﷺ پھر یہ ناممکن ہے کہ سرکار سے محبت ہو اُن کی احادیث، اُن کی سنّت سے محبت نہ ہو؟ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کے انمول موتی ناظرین کی خدمت میں پیش ہیں جن سے ثابت ہے کہ قرآن پاک اسلامی قانون کا اولین مآخذ ہے اور اس میں ہر چھوٹی بڑی چیز موجود ہے۔ وہ ''تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ'' ہے۔ مگر اس تبیان کا ذریعہ، فرمانِ رسول، اور زبانِ مصطفیٰ ہے۔ جس طرح ذاتِ رسول "آئینۂ خُداوندی" ہے اسی طرح فرمانِ رسول ارشاداتِ ربّانی کی توضیح و تشریح ہے۔

حضرت علامہ امام شاطبی قرآن و سنّت کے باہمی ربط پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

السُّنَّةُ راجعةٌ فى معنا ها إلى الكتاب فهى تفصيلُ مُجملِه و بيانُ مُشكلِه و بسطُ مُختصرِه (الموافقات ج ٤ ص ١٢)

سنّت حقیقت میں قرآن کی طرف راجع ہے یہ قرآن کے مجملات کی تفصیل، مشکلات کا بیان، اور اس کے مختصرات کی تشریح ہے۔

حافظ ابنِ قیّم سنّت کے قرآن سے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سنّت کا قرآن سے تین قسم کا تعلق ہے۔ ایک تو یہ کہ سنّت مکمل طور پر قرآن کے موافق ہو، پس قرآن و سنّت کا توارد ایک ہی حکم کے بارے میں ایسا ہو، جس طرح کوئی دلائل ایک ہی حکم کے بارے میں وارد ہوں، دوسرا یہ کہ سنّت قرآن کے لیے بیان ہو اور تفسیر بن رہی ہو، تیسرا یہ کہ وہ ایسے حکم کو واجب کر رہی ہو جس سے قرآن خاموش ہو، یا کسی ایسی چیز کو حرام کر رہی ہو جس کے حرام کرنے سے قرآن ساکت ہو۔ (اس سے معلوم ہوا کہ سنّتِ رسول بھی ذریعۂ تحلیل و تحریم ہے جو لوگ رسول کو بالکل بے اختیار سمجھتے ہیں وہ ابنِ قیّم کے اس قولِ صریح سے سبق لیں)

''سنن ابوداؤد'' میں حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یاد رکھو مجھے خدا کی کتاب دی گئی ہے اور اس کی مثل (سنّت) بھی اس کے ساتھ عطا ہوئی ہے۔ خبردار! عنقریب کچھ شکم سیر مزین تختوں کی ٹیک لگا کر کہیں گے، صرف قرآن کو لازم پکڑو۔ اس میں جو حلال ہے اسے حلال سمجھو، اور جو حرام ہے اسے حرام جانو۔ (سنن ابى داؤد، برقم:٤٦٠٤. أيضاً سنن الترمذى، برقم:٢٦٦٤. أيضاً سنن ابن ماجة، برقم:١٢. أيضاً سنن الدارمى، برقم:٥٨٦. أيضاً المسند: ٤/١٣٢)

اس حدیث پاک نے منکرینِ حدیث کا بارے میں مسلمانانِ عالم کو بہت پہلے ہی خبردار فرما دیا تھا۔ جو مسلمان اب تک بے خبر تھے باخبر ہوں۔

کیا حدیث کے بغیر قرآنی احکام پر عمل ممکن ہے:

قرآنی احکام مجمل ہیں، ان پر عمل کرانے ہی کے لئے تو ربّ تعالیٰ نے رسولِ اعظم واکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ مُعلّمِ کتاب مبین بن کر اور حقیقی شارح ومفسرِ کتاب بن کر تشریف لائے گویا ربّ تعالیٰ نے جب قرآن کو بلا واسطہ نازل نہیں فرمایا۔ بلکہ رسول کے ذریعہ عالم تک پہنچایا۔ اسی سے یہ بات متبادر ہے کہ ہر کس وناکس کو قرآنی آیات کا از خود مطلب متعیّن کرنے کا بھی حق نہیں بلکہ ہوا یہ کہ قرآن اُتارنے سے پیشتر ایک باوقار، امین وصادق پاکیزہ خصال برگزیدہ رسول کو مبعوث فرمایا گیا اور اُس کی سیرتِ طیبہ پر کامل اعتبار ووُثوق کو بھی دینِ صادق کی دلیل قرار دیا گیا، پھر اس باعظمت بزرگ رسول پر قرآن کو نازل کیا گیا اور پھر قرآن کو رسول کی تشریح وتوضیح اور بیان وتفسیر کی روشنی میں سمجھنے کی ہدایت کی گئی۔ آیت پاک پھر تلاوت کیجئے:

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾

(النحل: ١٦/ ٤٤)

اور اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف یادگار (کتاب) اُتارا کہ تم لوگوں کو بیان کردو جو اُن کی طرف اُترا تا کہ وہ دھیان دیں۔

یہ روشن قرآنی ہدایت ہے۔ جو لوگ اپنے کو اہلِ قرآن کہتے ہیں۔ وہ کس قرآن پر عمل کرنا چاہتے ہیں جس میں یہ آیت نہیں ہے؟ یا اُن کے نزدیک اطاعتِ رسول، تبیینِ رسول کی آیات قرآنیہ معاذ اللہ کالعدم ہیں۔؟

قرآن مجید کو سمجھنے اور آیات واحکام کے مطالب مقرر کرنے کے لئے حدیثِ رسول سے مفر ممکن نہیں مثلاً

﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ (نماز قائم کرو اور زکوۃ دو) ہی کو لیجئے۔ ''الصلوٰۃ'' کو اگر لُغتِ عرب کے ذریعہ حل کریں گے تو آپ کو ملے گا کہ ''صلوٰۃ'' بمعنی دعا، صلوٰۃ، صَلَوَیْن کا مفرد ہے اور یہ پیٹھ کی دو رگوں کو کہتے ہیں، ''صلی اللحم'' اس وقت کہتے ہیں جب گوشت کو بُھونا جائے یا جلانے کے لئے آگ میں ڈالا جائے، اکثر اہلِ لُغت اِسے دُعا کے معنی میں لکھتے ہیں۔ ''صَلَّیْتُ

لہ'' میں نے اس کے لئے دعا کی۔ ''تاج العروس'' میں ہے:

الصلوٰۃُ عبادۃٌ فیها رکوعٌ و سجودٌ و هذه حقیقةٌ شرعیّةٌ الخ

یعنی، صلوٰۃ اس عبادت کا نام ہے جس میں رکوع وسجود ہوتے ہیں اور اس لفظ کا یہ معنی حقیقتِ شرعیہ ہے۔

گویا ''تاج العروس'' کی یہ توضیح ''صلوٰۃ'' کا مدلول خارج میں متعین ہونے کے بعد ظہور میں آئی ہے۔ ورنہ لُغتِ عرب سے تو ''صلوٰۃ'' بمعنی دعا سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ پھر بتایئے کیا مسلمانانِ عالم، مُنکرینِ حدیث کے بقول ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ'' کا مطلب خود مقرر کریں گے اور جتنے نمازی ہوں گے اتنی ہی قسم کی نمازیں پڑھیں گے۔ یا کیا طریقہ ہوگا؟؟

لامحالہ نہایت بداہت سے سمجھا جاتا ہے کہ نماز قائم کرنے کا حکم ربِّ کائنات کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ عربی داں صحابہ کی نگاہِ استفسار کتاب وحکمت سکھانے والے، تبیین وتوضیح فرمانے والے، اور قوانینِ الٰہیہ کو اُسوۂ حَسَنہ کا نورانی جامہ عطا فرمانے والے رسول کی جانب اٹھی اور آپ نے اپنے عمل وبیان کے ذریعے مکمل نماز جو خُدائے تعالیٰ کو مقصود تھی ہمیں عطا فرمادی اور ارشاد ہوگیا:

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (صحیح البخاری، برقم: ٦٣١۔ أیضاً سنن الدارمی، برقم: ١٢٥٣۔ أیضاً المسند: ٥/ ٥٣)

جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو ویسے تم سب بھی پڑھو۔

اسی طرح حکمِ زکوۃ پر عمل کرنے کے لئے بھی نصاب کا تعیُّن، کس شے پر زکوۃ ہے، اور کس شے پر نہیں۔ ان سب کی تفصیلی تعیین حدیثِ رسول ہی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح حج کو لیجئے، قرآن مجید کے ذریعہ حج کے مہینوں کا تعین ہوجاتا ہے۔

عرفات سے لوٹنے کا ذکر مل جاتا ہے، طوافِ بیت اللہ کا حکم بھی ہے، اب دنیا کا کوئی مسلمان حدیثِ رسول سے بے گانہ ہوکر قرآن مجید کی آیۂ کریمہ:

﴿لِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾ (آل عمران: ٣/ ٩٧)

اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

پر کس طرح عمل کرے؟ ''اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ''یعنی حج کے مقررہ مہینوں (شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن) میں کون مقرر کرے گا حج کب ہوگا؟ عرفات میں کب قیام ہوگا؟ خانہ کعبہ کا طواف کس طرح کتنی بار ہوگا؟ کہاں سے طواف کی ابتداء کرنی ہے اور دورانِ طواف کیا کرنا ہے؟ قرآن میں احرام کا حکم بھی ہے مگر اس کی کیا صورت ہوگی، کب کہاں سے باندھا جائے گا؟ اس کی کیا کیا پابندیاں ہوں گی؟ اِن سب کی وضاحت کیسے ہوگی، خُدانخواستہ منکرینِ حدیث کی اسکیم پر چل پڑتے تو دنیائے اسلام میں مرکزِ توحید میں جمع ہوکر اس عالمگیر اسلامی فریضۂ خداوندی کی ادائیگی کے مقاصد ہی فوت ہوجائیں اور اسلامی حج محض تفریح اور سیر سپاٹے جیسی کوئی چیز بن جائے کہ جو جب چاہے ان مہینوں میں حج کرے، جب چاہے قیامِ عرفات کرے، جیسے چاہے احرام باندھے اور جیسے چاہے طواف کرے اِس سے اور سب کچھ تو ہوگا، مگر مقصودِ الٰہ فریضۂ حج جو اسلام کا اہم رُکن ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔ اس فریضۂ حج کی کامل ادائیگی کے لئے لامحالہ رسولِ خُدا ﷺ کی سنّت مبارکہ، حدیث کی جانب نگاہ اٹھانی پڑے گی، پھر سنّتِ رسول کے ذریعہ حج کے تمام اُمور واضح ہوکر سامنے آجائیں گے اور ''اَلدِّیْنُ یُسْرٌ'' کا منظر دنیا کے سامنے آئے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا﴾ (النساء: ٤/ ٤٣)

اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔

تیمم کے سلسلہ میں طریقۂ تیمّم اور صرف وضو کے لئے تیمّم ہے یا غسل کے لئے بھی؟ قرآن سے اس کی توضیح کہاں ہورہی ہے؟ چنانچہ ایک صحابی کو دورانِ سفر غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہیں تھا تو انھوں نے اپنے پورے جسم پر مٹی سے مسح کرلیا۔ اور خیال کیا کہ یہی طریقہ ہوگا مگر حضور سید عالم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو تیمّم کا وضو کا ہے وہی غسل کا بھی ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حکم ابن ابان نے دریافت کیا کہ اُمِّ ولد کا کیا حکم ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ آزاد ہیں۔ انھوں نے اس بارے میں دلیل قرآنی دریافت کی تو حضرت عکرمہ نے آیت کریمہ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ

مِنْکُمْ﴾ (النساء: ٤/ ٥٩)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں جو صاحبِ امر ہے اس کی''۔ تلاوت کردی۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا﴾ (چور اور چورنی اُن کے ہاتھوں کو کاٹ ڈالو) مگر قرآن مجید نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کہ کتنا مال یا دولت چوری کرنے پر قطع ید ہے۔ اور ایک ہی ہاتھ کاٹا جائے یا دونوں ہاتھ بیک وقت کاٹ لیے جائیں، یا ایک قطع ہوگا تو پہلے کون سا؟ داہنا یا بایاں؟؟

اسی طرح قرآن مجید میں ہے ﴿اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (اللہ نے تجارت کو حلال اور زیادتی کو حرام فرمایا) لُغتِ عرب میں ربٰو زیادتی کو کہتے ہیں۔ اب اس کا تعیُّن کیسے ممکن ہے کہ کتنی زیادتی اور کس نوعیت کی زیادتی حرام ہے؟

اب اس کی تشریح وتوضیح مثلاً یہ حدیث پاک ہے:

الذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَ الْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَ الْبُرُّ بِالْبُرِّ وَ الشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَ التَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَ الْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ یَداً بِیَدٍ، وَ الْفَضْلُ رِبًا (مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الربٰوا)

بیع کرو سونے کو سونے کے بدلے میں، چاندنی کو چاندی کے عوض، اور گیہوں کو گیہوں کے جَو کو جَو کے، کھجور کے کھجور کے، اور نمک کو نمک کے بدلے، جنس بجنس برابر برابر دست بہ دست اور زیادتی ربٰو (یعنی سود) ہے۔

یہ اور اسی طرح دیگر احادیث پیشِ نگاہ نہ ہوں تو بیع اور ربوا میں تفریق کس ذریعے سے ہوگی؟

بعض احکامِ حدیث قرآن کی طرح واجبُ العمل ہیں:

مُحقق عصر علامہ مفتی شریف الحق امجدی ادام اللہ انوارہٗ ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

غور کیجئے بہت سے وہ احکام ہیں، جو قرآن مجید میں مذکور نہیں، صرف حضور اقدس ﷺ نے

ارشاد فرمائے اور وہ بھی قرآن کی طرح واجب العمل قرار پائے مثلاً

(۱) "اذان" قرآن پاک میں کہیں مذکور نہیں، کہ نماز پنجگانہ کے لیے اذان دی جائے، مگر اذان عہدِ رسالت سے لے کر آج تک شعار اسلام رہی اور رہے گی۔

(۲) نمازِ جنازہ، قرآن میں اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں، مگر یہ بھی فرض ہے۔ اس کی بنیاد ارشادِ رسول ہی ہے۔

(۳) بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا قرآن میں کہیں حکم نہیں، مگر تحویلِ قبلہ سے پہلے یہی نماز کا قبلہ تھا۔ یہ بھی صرف ارشادِ رسول سے ہی تھا۔

(۴) جمعہ وعیدین کے خطبے کا کہیں قرآن میں حکم نہیں، مگر یہ بھی عبادت ہے، اس کی بنیاد صرف ارشادِ رسول ہی ہے اور وہ بھی اس شان سے کہ اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوئی، تو کوتاہی کرنے والے کو تنبیہ کی گئی، مثلاً ایک بار جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا۔ اسی اثناء میں ایک قافلہ آ گیا کچھ لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

﴿وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (الجمعہ:۶۲/۱۱)

انھوں نے جب کھیل یا تجارت کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو خطبے میں کھڑا چھوڑ گئے آپ فرما دیں وہ جو اللہ کے پاس ہے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ کا رزق سب سے اچھا ہے۔

یہ صرف اس بناء پر ہے کہ قرآن کی طرح ارشادِ رسول بھی واجب الاعتقاد والعمل ہے۔ اس میں بھی کوتاہی کی وہی سزا ہے جو قرآن کے فرمودات میں کوتاہی کی ہے۔

بابِ استدلال میں کیفیتِ احادیث:

احادیث میں جن چیزوں کا اثبات ہوتا ہے۔ "نزہۃ القاری" کے مقدمہ میں علامہ موصوف نے اُن کی چار قسمیں درج کی ہیں:

عقائدِ قطعیہ: جیسے توحید، رسالت، قرآن کا کتاب اللہ ہونا، اِن کا اثبات صرف حدیثِ

متواتر سے ہوگا۔

عقائدِ ظنیہ: جیسے احوالِ قبر، میزانِ عمل وغیرہ ان کا اثبات خبرِ واحد سے بھی ہوتا ہے۔

احکام: اِن کے اثبات کے لیے حدیث صحیح یا کم از کم حَسن لغیرہ کی ضرورت ہے۔

فضائل ومناقب: خواہ فضائلِ اعمال ہوں یا فضائلِ شخصیات اِن سب کے لئے حدیثِ ضعیف بھی بالاتفاق معتبر ہے۔ (مقدمۃ نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری للعلامۃ الشیخ محمد شریف الحق الامجدی، ج ۱ ص ۴۲،۴۳)

خلافتِ راشدہ اور مشعلِ سنّت:

آیئے ذرا رسول ﷺ سے بلا واسطہ اسلام و ایمان اور شریعت کے قوانین سیکھنے والوں اور سارے عالم میں نائب رسول کی حیثیت سے قرآن وحدیث کی تعلیمات کی اشاعت فرمانے والوں کے حالات میں بھی سنّت کی حیثیت کو تلاش کیا جائے۔

دربارِ صدیق میں ایک عورت آئی، اس کے نواسے کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے حقِ وارثت کا مطالبہ کیا، نائبِ رسول اکرم ﷺ نے فی الوقت اُسے جواب دیا کہ تمہارے حق میں قرآن مجید کے اندر کوئی حکم نہیں ہے اور جہاں تک مجھے معلوم سنّت میں بھی نہیں، اب تم جاؤ میں اس سلسلہ میں لوگوں سے معلوم کروں گا۔ آپ نے اس سلسلہ میں صحابہ سے دریافت فرمایا، تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

"میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، سرکار نے اسی طرح کے ایک قضیہ میں نانی کو وارثت سے چھٹا حصہ دلوایا تھا" امیر المؤمنین ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تمہارے علاوہ اس حدیث کا اور بھی کوئی راوی ہے؟ تو انصار میں سے حضرت محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی اس روایت کی تصدیق کی اور اس مجلسِ رسول میں اپنی موجودگی کی شہادت دی۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس خاتون کے حق میں چھٹے حصے کا فیصلہ صادر فرما دیا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض باب فی الجدة)

حضرت جابر بن زید صحابی نے کہا کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بار طواف کے

دوران مجھ سے فرمایا کہ تم بصرہ کے فقہاء میں سے ہو، قرآن مجید اور سنتِ رسول کے سوا کسی اور شے کے ذریعہ مسائل نہ بتانا، فتویٰ نہ دینا، اگر اس سے آگے بڑھے تو تم خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے، اور دوسروں کو بھی برباد کرو گے، حضرت حسن بصری سے حضرت ابو سلمہ نے فرمایا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہ کیجئے گا جب تک قرآن یا سنت میں سے کوئی پیش نظر نہ ہو۔ حضرت سعید بن جبیر کا ارشاد ہے کہ کوئی قول عمل کے بغیر، اور قول و عمل بلا نیت قابل قبول نہیں اور قول و عمل و نیت سب کے سب اس وقت تک مردود ہیں جب تک موافقِ سنّت نہ ہوں۔ کسی شخص نے حضرت مطرف بن عبداللہ سے کہا آپ ہمارے سامنے قرآن کے سوا کچھ اور نہ بیان کیا کریں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم قرآن کے بجائے کوئی اور چیز آپ لوگوں کے سامنے کبھی بیان نہیں کرتے۔ ہاں حدیثِ مصطفیٰ سُنا کر اس ذات کا ذکر کرتے ہیں جو ہم سب سے زیادہ قرآن کے عالم تھے، اسی طرح حضرت سعید بن جبیر نے حدیثِ رسول بیان کی ایک شخص نے کہا، قرآن مجید میں تو اس کے خلاف ہے۔ سعید بن جبیر نے فرمایا "میں ایک حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر قرآن لا رہے ہو۔ رسول اکرم ﷺ تمہارے لحاظ سے کتاب اللہ کو بہتر جانتے تھے"۔ (جامع بیان العلم، ج ۲، موافقات الإمام الشاطبی ج ٤ ص ٢٦)

دربارِ فاروقی میں ایک بار ایک ثقفی نے دریافت کیا کہ بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے کے بعد اگر کسی خاتون کو حیض آ جائے تو اُسے کُوچ کرنا چاہیے یا نہیں؟ آپ نے اپنے اجتہاد سے فرمایا نہیں، اس پر ثقفی نے کہا کہ اس مسئلہ میں رسول اکرم ﷺ نے اس کے خلاف حکم صادر فرمایا تھا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ یہ سُن کر جلال میں آ گئے اور اس ثقفی کو دُرّے سے مارا اور فرمایا جس چیز کے بارے میں حضور کوئی حکم دے چکے ہیں اس بارے میں مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟

گویا صحابۂ کبار اور خلفاءِ راشدین بعض اوقات کسی بات کا فیصلہ اگر اپنے اجتہاد سے کر دیتے اور بعد میں اس بارے میں حضور کی سنّت دریافت ہو جاتی تو فوراً اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیتے تھے۔ حتی الوسع ہر نا معلوم مسئلہ میں پہلے احادیثِ رسول معلوم کرنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

شوہر کی دیت سے عورت کو وراثت کا حصہ ملے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں سے دریافت کیا کرتے تھے کہ کسی کو شاید حضور کا کوئی فیصلہ معلوم ہو؟ چنانچہ ضحاک بن

سفیان نے انھیں بتایا کہ ایک بار رسول اکرم ﷺ نے انھیں لکھا تھا کہ شیم ابن الضبی کی زوجہ کو اس کی دیّت میں سے حصہ دیا جائے۔ (معالم السنن کتاب الدیات ج ٤ ص ١٠٥، ١٠٦)

حضرت عمر اس سلسلہ میں اپنے اجتہاد سے بیوی کو دیت سے وراثت نہ دینے کا فیصلہ دے چکے تھے، اس حدیثِ پاک کی دریافت کے بعد اپنے فیصلہ سے رُجوع فرما لیا۔

اس طرح جنین (ناپختہ حمل) کی دِیت کے بارے میں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیاس کیا تھا کہ، گائے بکری وغیرہ دے دی جائے مگر مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ انصاری نے بتایا کہ رسولِ خُدا ﷺ نے غلام یا باندی آزاد کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اس حدیث پاک کے علم ہونے کے بعد آپ نے اس کے مطابق فیصلے صادر فرمائے۔ (معالم السنن کتاب الدیات ج ٤ ص ١٠٥، ١٠٦)

یہی سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک بار شام کا سفر فرما رہے تھے۔ دورانِ سفر کسی مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں کوئی وبا پھیلی ہوئی ہے آپ یہ سُن کر بہت متردّد ہوئے کہ سفر جاری رکھنا چاہیے یا لوٹ کر مدینہ طیبہ جانا چاہئے۔ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ موجود تھے انھوں نے خبر دی اور حدیثِ رسول سُنائی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی شہر میں وبا پھیلی ہوئی ہو تو وہاں نہ جاؤ، اور اگر تم خود کسی وبا زدہ شہر میں ہو تو اس کے خوف سے شہر نہ چھوڑو، یہ سُن کر امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی مقام سے مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔

تمسّک بالسُّنّہ کے بارے میں دو صحابہ کا ایک واقعہ:

عمران بن حصین صحابیِ رسول کا ایک واقعہ امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ شبیب بن فضالہ مکی سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کچھ لوگوں کے سامنے شفاعت کے موضوع پر روشنی ڈالی، اور حدیثِ رسول بیان کی، اس مجلس میں ابو الجنید نامی ایک شخص نے کہا، آپ تو ہمارے سامنے وہ احادیث لا رہے ہیں قرآنِ مجید میں جن کا سُراغ نہیں ملتا۔

ابو الجنید کی یہ بات سُن کر عمران رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے اور فرمایا:

حضرت عمران: کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟

ابو الجنید: جی ہاں

حضرت عمران: کیا تم نے قرآن میں کہیں یہ پایا کہ فجر کی فرض رکعتیں دو ہیں، مغرب کی تین ظہر وعصر وعشاء کی چار چار؟

ابوالجنید: نہیں

حضرت عمران: کیا ان سب رکعتوں کا علم تم لوگوں نے ہم سے نہیں حاصل کیا، اور کیا ہم نے حضور اکرم ﷺ سے نہیں سیکھا؟

عمران بن حصین: کیا تم لوگوں کو قرآن میں کسی ایسی آیت کا علم ہے، جس میں بتایا گیا ہو کہ اتنی بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ کی اور اتنے اونٹوں میں ایک اونٹ زکوٰۃ کا؟ اور اس قدر درہموں میں ایک درہم زکوٰۃ کا، واجب الادا ہیں۔

ابوالجنید: نہیں، ہمیں تو ایسی آیات کا علم نہیں۔

عمران بن حصین: کیا ان تمام چیزوں کا نصاب تم نے ہم سے اور ہم نے رسولِ خُدا ﷺ سے نہیں سیکھا؟ قرآن مجید میں ہے ﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ تو کیا قرآن نے یہ بھی بتایا کہ سات طواف کیا کرو، اس کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرو؟

کیا تمہیں قرآن میں یہ بھی نظر آیا لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا شِغَارَ فِی الْاِسْلَامِ، اسلام میں نہ جلب ہے نہ جنب نہ شغار۔ (واضح رہے کہ جلب وجنب زکوٰۃ وصول کنندگان کا یہ رویہ کہ زکوٰۃ کے مویشیوں سے دُور خیمہ لگا کر ان کے مالکان کو زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کرے، اور شغار کا مطلب یہ کہ اپنی بیٹی یا بیٹے کا اس شرط پر نکاح کا منظور کرنا کہ فریق ثانی اپنے بیٹے یا بیٹی کا رشتہ اس کے ساتھ بطور بدل کرے۔)

کیا تم نے سُنا نہیں، یہ ارشاد قرآن ہی کا ہے:

﴿وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:۵۹/۷)

اسلامی احکام (جن کا تعلق عبادات ومعاملات سب سے ہے) ہم سب لوگوں کو رسول اکرم ﷺ سے ملے ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے تم ناواقف ہو، باوجودیکہ قرآن مجید پڑھتے ہو۔ (مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة ص ۶۰۵)

اساطینِ اُمّت کے اقوال:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

''کوئی شے ایسی نہیں جس کا ذکر قرآن میں نہ ہو، مگر ہماری عقل اور فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہو پاتی، اس لیے رب تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو خطاب فرما کر یہ اہم ذمہ سرکار کو سپرد کیا''۔

﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل:۱۶/۴۴)

تاکہ تم لوگوں سے بیان کردو جو ان کی طرف اُترا۔

امام شافعی کا فرمان ہے کہ سنّتِ ثابتہ قرآن کے منافی نہیں ہے بلکہ قرآن کی تائید کرنے والی ہے، خواہ قرآن میں الفاظ سنّت کی صریح نص نہ ہو، اس لیے کہ قرآن مجید کو کوئی بھی اس طرح نہیں سمجھ سکتا جس طرح رسول اکرم ﷺ نے سمجھا ہے۔

امام یحییٰ بن کثیر نے فرمایا کہ:

سنّت کتاب اللہ پر حکم کرنے والی ہے، اور کتاب سنّت پر حکم نہیں کرتی۔

حضرت مکحول دمشقی کا فرمان ہے کہ:

قرآن کو سنت کے زیادہ احتیاج ہے۔ باعتبار اس کے کہ، سنّت کو قرآن کی ضرورت ہو۔

حافظ الحدیث ابوعمر ابن عبدالبر نے کہا کہ حضرت مکحول کے کہنے کا مقصود یہ ہے کہ، کتابُ اللہ (قرآن) کے لیے سنت (حدیث) مُبَیِّن ہے یعنی ان کے حقیقی مراد کو واضح کر دیتی ہے۔

(جامع بيان العلم ج ۲ ص ۱۹۱)

سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

اَلسُّنَّةُ قَاضِيَةٌ عَلَى الْكِتَابِ (یعنی سنت کتاب کتاب اللہ پر حکم کرنے والی ہے) کے بجائے اس کی تعبیر یوں ہونی چاہئے:

إِنَّ السُّنَّةَ تُفَسِّرُ الْكِتَابَ وَ تُبَيِّنُهُ (جامع بیان العلم، ج ۲ ص ۱۹۱)

حدیث قرآن کی مُفسّر اور مُبیّن ہے۔

عُروجِ اسلام اور موجودہ دَور کا فرق:

عُروجِ اسلام کے اَدوار میں بھی وقتاً فوقتاً ایسے شوریدہ سر اُبھرتے رہے ہیں جن افکار وخیالات کو شیطان نے اپنی آماجگاہ بنا کر فتنہ وفساد کی بناء ڈالی، مگر جب تم مسلمانوں میں دین کی محبت راسخ تھی، علمی سرگرمیاں زوروں پر تھیں فتنوں کی آواز بہت جلد دب جایا کرتی تھی، بخلاف عصرِ حاضر کے، جب کہ آزادی کے نام پر ہر جہالت وضلالت کو پنپنے کے خوب خود مواقع ملتے ہیں۔ اور مادی تائیدیں بالخصوص اسلام دشمن ہر فرقے کو عالمگیر مخرب قوتیں شیرِ حیات بہم پہنچاتی ہیں۔ موجودہ دَور میں مرزائیت، قادیانیت اور بہائیت اس بات کی واضح مثالیں ہیں، جو نصرانیت ویہودیت کے تخم سے برآمد شدہ پودے ہیں، اور انہی مراکز سے انھیں فروغ پانے کے تمام وسائل میسر آتے ہیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ہمیں صبیغ بن عسل تمیمی نامی ایک شخص کا سراغ ملتا ہے، جو بد مذہب ہوگیا تھا، اور قرآن مجید کی آیات متشابہات کے ذریعہ لوگوں میں کچھ نئے، خیالات جو قرآن وحدیث سے الگ تھے، پھیلا رہا تھا۔

دَورِ فاروقی میں بد مذہبی کا انسداد:

امام احمد رضا قادری قدست اسرارہم "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" جلد دہم کتاب الحظر والاباحۃ کے تحت ایک فتوے کے ذیل میں اس کے اَحوال (امام) دارمی، نصر مقدسی اور ابن عساکر کی روایتوں کے ذریعہ، کتاب الحجۃ لابن انباری، کتاب المصاحف اور کتاب السنۃ کے حوالوں سے نقل کرتے ہیں کہ:

عراق میں ایک شخص صبیغ بن عسل تمیمی کے ذہن میں کچھ خیالات بد مذہبی گھومنے لگے، امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور، عرضی حاضر کی گئی، طلبی کا حکم صادر فرمایا، وہ حاضر ہوا، امیر المؤمنین نے کھجور کی شاخیں جمع کر رکھیں، اور اسے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا، فرمایا تو کون ہے؟ کہا میں عبداللہ صبیغ ہوں فرمایا اور میں عبداللہ عمر ہوں اور ان کی شاخوں سے مارنا شروع کیا، خون بہنے لگا،

پھر قید خانے بھیج دیا، جب زخم اچھے ہوئے پھر بلایا، اور ویسا ہی مارا، پھر قید کر دیا، سہ بارہ پھر ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ وہ بولا یا امیر المؤمنین! واللہ وہ ہوا، اب میرے سر سے نکل گئی، امیر المؤمنین نے اسے حاکمِ یمن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ اور حکم فرمایا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھے، وہ جدھر گزرتا اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے سب متفرق ہو جاتے، یہاں تک کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرضی بھیجی، یا امیر المؤمنین اب اس کا حال صلاح پر ہے، اس وقت مسلمانوں کو پاس بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (الفتاویٰ الرضویۃ ج ۱ ص ۲۵۶، ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۸۱)

یہ فتنہ نیا نہیں:

حُجیتِ حدیث کے انکار کا فتنہ دَورِ حاضر کی مذہب بیزار فضا پا کر دیگر فتنوں کی طرح پھیل گیا۔ اور مستشرقین کی اسلام دشمن فکر نے نئے شوشے گوشے دے کر نام نہاد موڈرن مسلمانوں کو آگے بڑھا دیا اور وہ لوگ جو مردم شماری کے رجسٹر میں اپنا نام مسلمانوں کے خانے میں لکھوانا بھی بجبر واکراہ گوارا کرتے ہیں وہ ان کے مؤید ہیں۔ آج آپ نظر اٹھایئے تو انکارِ حدیث کے علم برداران میں وہی سر خیل نظر آئیں گے۔ ویسے پتہ یہ چلتا ہے کہ اس فتنے کی ابتداء نویں صدی ہجری میں ہوئی تھی اور کسی سر پھرے نے دبی زبان سے یہ جسارت کی ہوگی، چنانچہ اس دَور کے جید عالمِ ربانی حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کی تردید کرتے ہوئے "مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ" نامی کتاب تصنیف فرمائی تھی، ابن حزم اندلسی نے اپنی تصنیف "احکام الاحکام" میں فتنہ انکارِ حدیث کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

> "دنیا میں اس سے بدتر فتنہ نہیں ہوسکتا کہ انسان قرآن کو کتابِ خدا تسلیم کرے، اور رسالتِ محمدی ﷺ کا اقرار کرے اور اس کے باوجود احادیثِ رسول کی تشریعی حیثیت کا منکر ہو"۔ (احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۰۲)

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم:

چند ایک مادر زاد اندھے مل کر اگر یہ غوغا کریں کہ سورج کا کوئی وُجود ہی نہیں، کائنات میں

روشنی کا کوئی ایسا منبع و مرکز موجود ہی نہیں ہے جس سے عالم مُنوّر ہے، تو اس سے حقیقتاً آفتابِ عالم تاب کے وُجودِ مسعود اور اس کی فیض رسانیاں کم نہیں ہو جاتیں، قُرونِ اُولیٰ سے رہتی دنیا تک اہلِ اسلام کتابُ اللہ کے بعد حدیثِ رسول ﷺ کو دین و شریعت کی اساس مان رہے ہیں اور مانتے رہیں گے۔ اور اس سے الگ ہو کر نہ دین دین رہ جائے گا اور نہ ہی شریعت شریعت اور بحمدہٖ تعالیٰ احادیثِ مصطفیٰ کا استناد تاریخِ عالم میں ایسا مثالی ہے کہ وُجودِ عالم سے قیامت تک آنے والی کوئی قوم و ملّت اس کے پائے کو پہنچ ہی نہیں سکتی۔ خُدا کی بے شمار رحمتیں ہوں علماءِ جرح و تعدیل پر جنھوں نے محنت شاقہ سے کام لے کر ایک ایک حدیث کے سلسلۂ رُواۃ میں آنے والی شخصیات کی زندگی کے شب و روز کھنگال کر رکھ دیے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی احادیث کو منقح کر دیا۔

دورِ نبوی اور دورِ صحابہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک علم نام ہی تھا حدیثِ رسول کا۔ اِن مُقدّس حضرات میں سب سے زیادہ عالِم وہی ہوتا تھا جو کتابُ اللہ کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ احادیثِ رسول کا علم رکھتا تھا۔

ذخیرۂ احادیثِ نبوی مسیحی بائبل نہیں:

مستشرقین میں سے سر ولیم میور، اور گولڈزیہر نے دراصل ''انکارِ حدیث'' کے بیج بوئے ہیں اور فتنہ پھیلایا ہے کہ حدیثِ رسول کی کتابت کا کام حضورؐ کی وفات کے نوے برس بعد شروع ہوا۔ پھر ہند و پاک میں ان کے پیروؤں نے کچھ اور بڑھا چڑھا کر یہ پروپیگنڈہ کیا کہ حدیث کی کتابت دو برس بعد ہوئی۔ کم نظر مسیحی معترضین نے احادیثِ رسول آخر الزماں ﷺ کو بھی اپنے موجودہ اناجیل (Bible) پر قیاس کیا۔ جن کے بارے میں مسیحی دنیا کہتی ہے کہ بعد مسیح علیہ السلام ان کے حواریوں نے الہام کے ذریعہ مرتب کیں اور جن کی دونوں اقسام عہد نامہ قدیم Old Testament اور عہد نامہ جدید New Testament میں بہت بڑا حصہ ایسا ہے جن کی صحت پر دورِ قدیم سے آج تک کے مسیحی ذمہ داران کا اتفاق نہیں ہو سکا۔ اور قسطنطین اول (۳۳۷ء) نے اپنے دور میں انتشار و افتراق کے شکار مسیحی ذمہ علماء کو شہر نائس میں بٹھا کر اناجیل کے ڈھیروں مختلف نسخوں میں سے کچھ پر متفق ہونے پر مجبور کیا۔ ۳۲۵ھ کی اس کانفرنس نے مسیحیوں کو موجودہ

بائیبل دی۔ اور اس میں بھی مسیحی علماء، وقت اور حالات کے مطابق حذف و اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ مسیحیوں کے محقق اذہان بھی ہر زمانے میں اس کی کُرید کرتے رہے کہ آخر پطرس جسے خود عیسیٰ مسیح نے اپنے حواریوں سے خارج کر دیا تھا۔ موجودہ مسیحیت کی ساری اساس وہی شخص بنا۔ پھر ایسے غیر معتمد شخص کے ذریعہ منصۂ شُہود پر آنے والے مذہبیت کا اپنا وقار کیا کچھ ہے؟ مسیحیوں کی اساس اوّلین میں عہد نامہ قدیم کا معاملہ تو بہت پُرانا ہے۔ خود اناجیل اربعہ (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) کا یہ حال ہے کہ نہ ان کو کوئی سند موجود ہے، نہ یہ واضح ہوتا ہے کہ واقعی وہ ان حواریوں ہی کی تحریر کردہ ہیں، یا ان کے شاگردوں کی لکھی ہوئی؟ مسیحی علماء اور شارحینِ اناجیل نے انھیں اصلی اور حقیقت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا، مگر آج تک وہ بھی ظن و تخمین سے بلند ہو کر یقینی دلائل نہ لا سکے، اور تھک ہار کر دبی ہی زبان سے سہی مگر یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوئے کہ دوسری صدی مسیحی سے پیشتر ان انجیلوں کا کہیں نام و نشان موجود نہیں تھا۔ اناجیل اربعہ کے سلسلہ میں مسیحیوں کی اندرونِ خانہ بے چینی کا حال معلوم کرنے کے لیے ہزاروں معترضانہ تحریروں میں سے، یہاں محض ایک قول، مسٹر برنٹ ہلمین اسٹریٹر کا نذرِ ناظرین ہے۔ وہ اپنی کتاب Four Gospels، میں لکھتے ہیں:

> عہد نامہ جدید کی تحریروں کو جو الہامی نسخوں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے، کیا یہ کوئی کلیسائی اعلان تھا، جس پر بڑے بڑے کلیساؤں کے اداروں نے اتفاق کر لیا تھا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں ہے ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ۱۸۰ء کے لگ بھگ اناجیل کو انطاکیہ افسس اور روم میں یہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ (فور گاس پیلس مطبوعہ نیویارک ص ۷ Four Gospels P7)

اشاعتِ حدیث کی ترغیب:

رسولِ خُدا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ کریمہ کی **اشاعت و تعلیم منصب نیابتِ رسول** کی اہم مسئولیت ہے۔ یہ دین و شریعت کا خزینہ ہے۔ **علمِ حدیث، معانی اسلام، تشریحِ شرائع** اور اصولِ حیات کا گنجینہ ہے۔ یہی وہ **نورانی سلسلہ ہے جس کے سبب اسلام تمام ادیانِ عالم پر** فائق ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے **احادیث پاک کی تعلیم و تعلّم پر جاں باز صحابہ** کو آمادہ فرمایا۔ شوق دلایا،

ترغیب دی اور علمِ حدیث میں مشغول ہونے والوں کے لیے دعا بھی فرمائی ہے۔ ارشادِ رسول ہے:

حَدِّثُوا عَنِّی (صحیح مسلم ج ۲ ص ٤١٤)

میری حدیث دوسروں کو پہنچاؤ۔

حضور رسالت مآب ﷺ نے ترویج حدیث میں انہماک رکھنے والوں کو کیسی پیاری دعا سے نوازا ہے:

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ (مشکوٰة كتاب العلم بحواله ابن ماجه و دارمی ج ۱ ص ۳٥)

خدا اُس شخص کو شاداب رکھے جس نے ہم سے کچھ سُن کر لوگوں کو اسی طرح پہنچا دیا جیسے سنا تھا۔

حجۃ الوداع کے خطبہ بلیغہ کے ذریعہ عالمِ انسانیت کو رسول اکرم و اعظم ﷺ نے امن و سلامتی کا منشور عطا فرمایا تھا اس وقت بھی آپ نے حاضرین و سامعین پر یہ ذمہ داری عائد فرمائی تھی:

لِيُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (صحيح مسلم كتاب القيامة باب تغليظ تحريم الدماء الخ ج ۲ ص ٦٠)

جو موجود ہے وہ غائب تک پہنچا دے۔

بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ آيَةً وَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (صحيح بخاری ج ۱ ص ٤٩١، بحواله نزهة القاری ج ۱ ص ۲٥)

میری ہر بات دوسروں تک پہنچاؤ اگرچہ وہ چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو اور جو بالقصد مجھ پر جھوٹ باندھے گا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ خُلَفَاؤُكَ؟ قَالَ: اَلَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ يَرْوُوْنَ أَحَادِيْثِيْ وَ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ (الترغيب والترعيب ص ۸۷ بحواله نزهة القاری ج ۱ ص ۲٥)

اے اللہ! میرے جانشینوں پر رحمت فرما، ہم (صحابہ) نے پوچھا یارسول اللہ! آپ کے جانشین کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں میری احادیث کو روایت

کریں گے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ (سنن ابی داؤد كتاب العلم ج ۲ ص ۱۲٦، جامع ترمذی كتاب العلم ج ۲ ص ۹۰، بحواله نزهة ج ۱ ص ۲٥)

اس شخص کو اللہ تر و تازہ رکھے، جس نے میری حدیث سُنی پھر اسے یاد کیا تاکہ دوسرے تک پہنچائے

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاملینِ فرامینِ رسول ہیں۔ ایمان اور عشقِ رسول کی پوری سرگرمی کے ساتھ انھوں نے حدیثِ رسول کی ترویج و اشاعت میں حصہ لیا۔ ایک ایک حدیث کی سماعت کے لیے مہینے مہینے بھر کا سفر صعوبت برداشت کرنا ان کے کمالِ عشق کی دلیل ہے۔

صحابہ اور علمِ حدیث:

دنیاوی تاریخ، اقوام و ملل اور سلاطین و مدن کی تواریخ کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ عرصۂ دراز تک قصوں اور کہانیوں کی شکل میں لوگوں میں عام رہیں اور بعد میں کسی لکھنے والے نے انھیں لکھ دیا۔ بعد والوں کے لیے وہی دستاویز کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ روایت کرنے والے اور تاریخ کے مدوّن و مرتب کرنے والوں کے خود ذاتی حالات کیا تھے؟ زمانے اور حالات سے وہ کتنے متاثر تھے اور صِدق و کِذب کی صفات میں سے اُن کی فطرت پر کس کا غلبہ تھا؟ اس کی تحقیق کے کیا ذرائع ہیں؟ یوں ہی قدیم قلمی کتابوں، آثارِ قدیمہ کے کتبوں اور دیگر ذریعہ معلومات کا حال ہے۔ اُن کے ذریعہ حاصل شُدہ مواد محض قیاسی اور ظنّی ہوتا ہے۔ آج کے دور کا عام رجحان یہ ہے کہ کرم خوردہ قلمی کتابیں چاہے جو بھی مل جائیں لوگوں میں بہت مستند سمجھی جاتی ہیں۔ بہر حال عرض یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں جس چیز کا نام تاریخ ہے اس کی تو یہ حالت ہے اور اسلام کے سوا دیگر اکثر ادیان کی تاریخ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ مگر اسلام جو خُدا کا آخری پسندیدہ دین ہے اس کے مآخذ روزِ اوّل سے تا امروز سب کے سب آفتاب کی طرح روشن ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ کا ذخیرہ بھی قُرونِ اُولیٰ سے تا امروز حفاظت و صیانت کے اعلیٰ ترین قدرتی انتظامات سے بہرور رہا ہے جسے عام دیناوی یا مذہبی تواریخ چیلنج نہیں کرسکتیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو زبان

رسول کے اوّلین مُخاطَب تھے۔ اطاعت وانقیاد، اور محبت ومودّتِ رسول میں اس قدر سرشار تھے کہ مؤرّخینِ عالَم کو ان کی مثال تلاش کرنا ناممکن ہے۔ وہ رسول کے حکم کی تعمیل میں احادیث کو پڑھتے پڑھاتے لکھتے لکھاتے اور عمل میں لاتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کے حزم واحتیاط کا عالَم نہ پوچھے۔

کس ذات پر جلال کا ذِکرِ جمیل ہے — لرزیدہ جسم، رونگٹے استادہ با ادب

روایتِ حدیث میں حزم واحتیاط:

آپ ہیں مشہور عاشقِ رسول صحابی حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ، اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے مخصوص جذباتِ عشق ومحبت کے اسلوب میں فرماتے ہیں:

أَوْصَانِيْ حَبِيْبِيْ أَبُو الْقَاسِمِ......أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ ﷺ

آگے کچھ زبان سے ادا نہیں کر پاتے اور غش کھا کر گر پڑتے ہیں، کبھی چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ سے ...ثِ رسول کی سماعت کرنے والوں کا بیان ہے کہ آپ حضور اقدس ﷺ کی طرف منسو... ے بہت کم حدیثیں بیان کرتے اور جب بیانِ حدیث میں سرورِ عالَم ﷺ کا نام نامی آتا تو آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، لباس جو زیب تن ہوتا اس سے جسم کی تھرتھراہٹ ظاہر ہوتی، گردن کی رگیں پھول جاتیں اور آنکھیں اشکوں سے تر ہو جاتیں۔ (مستدرك حاكم)

سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی ایک حدیث کا بیان شروع کیا، پھر فرمایا ڈر لگتا ہے کوئی زیادتی یا کمی نہ ہو جائے، مگر اس حدیث کو عمار نے بھی سُنا اس لیے بیان کرتا ہوں۔ عمار سے بھی بُلوا کر پوچھ لو، حضرت عمار کو بُلوا کر دریافت کیا تو انھوں نے بھی تصدیق کی۔ (نزهة القاري شرح صحيح البخاري، ج ١ ص ٢٦)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جب بوڑھے ہوگئے تو آپ نے حدیث بیان کرنا بند کر دیا۔ کوئی اگر حدیث دریافت کرتا تو فرماتے اب ہم بوڑھے ہوگئے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کی حدیث بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ (سنن ابن ماجة ص ٤، بحواله نزهة القاري ج ١ ص ٢٧)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے تلامذہ کو تاکید فرماتے کہ جب حدیث بیان کرو تو اس کو پہلے

تین دفعہ دہرالو۔ (سنن الدارمي ص ٧٨، بحواله نزهة القاري ج ١ ص ٢٧)

حضرت زبیر ابن العوام کے صاحبزادے عبد اللہ نے اپنے والد سے عرض کیا جیسے اور لوگ حدیث بیان کرتے ہیں اسی طرح آپ کیوں نہیں بیان کرتے تو فرمایا بیٹے! میں ہمیشہ سفر وحضر میں حضور اقدس ﷺ کے ہمراہ رہا مگر چونکہ حضور کا ارشاد ہے:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنائے۔

گویا مجھے اندیشہ ہے کہ سہواً کبھی ایسا نہ ہو جائے کہ کوئی کلمہ حضور کی جانب غلط منسوب کر بیٹھوں اس لیے بیانِ حدیث سے احتیاط کرتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے دو ہزار چھیاسی احادیث مروی ہیں، فرماتے ہیں: "بہت زیادہ احادیث بیان کرنے سے مجھے یہ بات روکتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (صحيح البخاري ج ١ ص ٢١، بحواله نزهة القاري ج ١ ص ٢٦)

آپ کو جس حدیث کے بارے میں ذرا بھی شبہ ہوتا کہ اچھی طرح یاد نہیں، اُسے بیان نہیں کرتے اور فرماتے غلطی کا اندیشہ نہ ہوتا تو بیان کرتا۔ (سنن الدارمي ص ٢٢، بحواله نزهة القاري ج ١ ص ٢٦)

بایں ہمہ حزم واحتیاط، بیانِ حدیث چونکہ ضرورتِ دین میں ہے، اور احکام وشرائع کا ماخذ ہے اس لیے صحابہ کرام نے اس کی تعلیم، اشاعت اور کتابت میں بنیادی کام سر انجام دیے اس کا اندازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا قرآن مجید میں اگر یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو کوئی شخص حدیث بیان نہ کرتا۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْ م بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ لا أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ (البقرة:٢/١٥٩)

جو لوگ ہماری اُتاری ہوئی روشن باتوں اور آیات کو چھپاتے ہیں۔ اس کے بعد کہ ہم اسے لوگوں کے لیے کتاب میں واضح فرما چکے۔ اُن پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے

والوں کی لعنت۔

﴿اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اَصۡلَحُوۡا وَ بَیَّنُوۡا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ﴾ (البقرہ:۲/ ۱۶۰۔ نزهة القاری ج ۱ ص ۲۶،۲۷)

مگر وہ جو توبہ کریں اور سنواریں اور ظاہر کریں، تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

راویانِ حدیث صحابہ کی تعداد:

یہ انتظامِ قدرت ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کی احادیث کریمہ کو ہزارہا صحابہ کرام اور صحابیات نے دنیا تک پہنچایا یہ کثیر التعداد مقدس گروہِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم صحبت یافتہ اور عینی شاہد کی حیثیت سے حضور انور ﷺ کی حدیثوں کا امانت دار تھا۔ رسولِ خُدا کو اس پاکیزہ خصلت جماعت نے کس عقیدت و محبت کی نگاہ سے دیکھا تھا یہ محتاج بیان نہیں۔

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں اُنگشتِ زناں　　سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

فنِ رجال کے عظیم امام حضرت علی ابن ابی زرعہ سے دریافت کیا گیا کہ جن صحابہ نے حضور ﷺ کی احادیث کریمہ بیان کیں اُن کی تعداد کیا تھی تو انھوں نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی:

وَمَنْ رَاٰهُ وَ سَمِعَ مِنْهُ زِيَادَةٌ عَلٰى مِاَةِ أَلْفِ إِنْسَانٍ مِنْ رَجُلٍ وَ امْرَأَةٍ كُلُّهُمْ قَدْ رَوىٰ عَنْهِ سِمَاعًا وَ رُؤْيَةً (الإصابة فی معرفة الصحابة ج ۱ ص ۳)

اُس وقت اُن حضرات کی تعداد جنھوں نے حضور کو دیکھا اور آپ سے سُنا تھا ایک لاکھ سے زیادہ تھی، اُن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ سب حضور سے سُن کر اور دیکھ کر روایت کرتے تھے۔

کسی کو یہ شُبہہ نہ گزرے کہ امام ابن زرعہ نے اس وقت کے کُل صحابہ کی تعداد بتائی ہے نہیں بلکہ گروہِ صحابہ سے صرف راویانِ حدیث کی تعداد بتا رہے ہیں۔

اُمُّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا:

آقا و مولیٰ ﷺ سے جاں بازانہ محبت اور متابعتِ اَمر کے معاملات میں جس طرح مرد صحابہ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے، عورتیں بھی پیچھے نہ رہیں، بلکہ صحابیاتِ رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہن نے بھی روایاتِ حدیث میں حصہ لیا ان میں بالخصوص اُمَّہاتُ المؤمنین ہی کے توسط سے رسولِ اکرم ﷺ کی خانگی سیرتِ طیبہ، اور احوالِ خلوت بھی طالبانِ حق کے لیے مشعلِ راہ بنے۔ یہی نہیں بلکہ فقہ و کلام اور حدیث میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہاں بطور مثال اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لیجیے، آپ کا شمار مکثّرینِ حدیث میں ہے، دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ شیخین (امام بخاری و امام مسلم) ایک سو چوہتر پر مُتفق ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ احکامِ شرعیہ میں چوتھائی حصہ آپ کے منقولات پر مشتمل ہے۔ آپ کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہوتا ہے۔ روایتِ حدیث اور فقاہت کے باب میں حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر حضرات عمر و علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ ابن عباس کے ساتھ ہوتا ہے۔ خلفاءِ راشدین کے اَدوار میں آپ فتویٰ دیا کرتی تھیں، علمِ کلام، اسرارِ دینیہ اور اسلامی تاریخ سب کے سب آپ کی روایات، دِقّتِ نظر، فقاہت اور منقولات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ رؤیتِ باری، علمِ غیب، عصمتِ انبیاء، معراج، ترتیبِ خلافت، سماعِ موتی اور ترتیبِ قرآن، مدینہ میں فروغِ اسلام کے عِلل و اسباب، جمعہ کا غسل، قصر نماز کی عِلّت، عاشورہ کے روزے کی حکمت، اسرارِ حج، ان کی علمی برتری کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔ اسی طرح تاریخِ عرب کا علم، رسومِ جاہلیت کا بیان، انسابِ عرب، عربی معاشرت اُن کے ذریعہ ذخیرۂ احادیث میں آئے۔ آغازِ وحی کے احوال، واقعاتِ ہجرت، واقعۂ افک، نماز کی صورت، حضور کے احوالِ مرض الموت، غزواتِ بدر و اُحد و خندق، قُریظہ کے حالات، صلوٰۃ الخوف کی کیفیت اور فتحِ مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے حالات، حضور اقدس ﷺ کے اخلاق و عاداتِ کریمہ، خلافتِ صدیقی، حضرت فاطمہ کا دعویٰ میراث اور اسی کے سبب حضرت علی کا ملال ور پھر بیعت کے حالات کی تفصیل یہ سب کی سب عظیم معلومات و واقعات انہی کے ذریعہ ذخیرۂ احادیث کی زینت بنے ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ:

"ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات درپیش نہیں ہوئی کہ جس کو ہم نے اُمّ المؤمنین عائشہ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کی کوئی معلومات نہ ملی ہو"۔

عُروہ بن زبیر کا قول ہے:

قرآن، فرائض، حلال، حرام، فقہ، شاعری، طِب، تاریخِ عرب اور عِلمِ الانساب کا عِلم میں نے عائشہ سے بڑھ کر کسی میں نہیں دیکھا۔

تابعین کے سردار امام زہری فرماتے ہیں:

عائشہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عِلم والی تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اکابر صحابہ کرام اُن سے سوالات کیا کرتے تھے۔(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲٦)

اسی طرح صحابیات میں حضرت اُمِ سلمہ، اُمِ عطیہ، اسماء بنت ابی بکر، اُمِ ہانی، فاطمہ بنت قیس کثیر الروایۃ ہیں۔حضرت اُمِ سلمہ سے ۳۷۸ حدیثیں روایت ہیں۔

اسناد اور جرح وتعدیل:

حضور رسول ﷺ کے اقوال، افعال، احوال اور تقاریر جو آج دنیا میں "حدیث" کے نام سے شائع ہیں ان کے سلسلہ میں مُحدّثین کرام اور علماء جرح و تعدیل نے احتیاط و تحفّظ کی جن سخت پابندیوں کو اپنایا ہے۔وہ دنیا کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں......؟

ایک طرف اشاعتِ حدیث کے سلسلہ میں سرورِ عالَم ﷺ کی ترغیبات و مراعات اور ضرورتِ دینیہ کو مدّ نظر رکھیے۔دوسری طرف، حضور کی حدیثوں میں بے احتیاطی، خلط ملط اور کِذب بیانی کی مذمّت اور اس کا وبال بھی سامنے رہے، فرمایا:

مَنْ حَدَّثَ عَنِّیْ بِحَدِیْثٍ یُرٰی اَنَّهٗ کَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ (مقدمة صحيح مسلم ج ۱ ص ٦،۷)

جس نے میرے متعلق ایسی بات نقل کی جس میں کِذب (جھوٹ) کا گمان ہو تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (مقدمة صحيح مسلم ج ۱ ص ٦،۷)

جو مجھ پر قصداً جھوٹ لگائے اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّمَا سَمِعَ (مقدمة صحيح مسلم ج ۱ ص ٦،۷)

آدمی کا جھوٹا ہونے کے لیے یہ بہت ہے کہ وہ جو بات بھی سُنے اُسے (بلا تحقیق) بیان کر دے۔

محض اتنی ترغیب و ترہیب ہی پر بس نہیں بلکہ احادیث کو بیان کرنے میں اصول اوّلین یہ ہے کہ سند کے ساتھ ہو۔یعنی جو مُحدِّث بھی حدیث بیان کرے اُسے پہلے یہ بتایا ہے کہ اس نے یہ کس سے سماعت کی اور اس سنانے والے اس کے شیخ نے اس سے سنی۔اسی طرح اس صحابی تک کا نام لے کر فلاں صحابی نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سُنا، یہ کرتے ہوئے دیکھا۔اس طرح دنیا میں حضور اکرم ﷺ کی جتنی احادیث ہیں ہر ایک کے ساتھ راویوں کے اسماء اور سند حدیث بھی لگی ہوئی ہے۔اور بتایا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث فلاں صحابی سے روایت ہے اور اِن واسطوں سے ہم تک پہنچی ہے، درمیان میں اگر کسی راوی کا نام چھوٹ گیا ہے تو ایسی سند کو منقطع قرار دے کر نا قابلِ اعتماد گردانتے ہیں۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نام تو تمام راویوں کے بیان کیے گئے مگر سلسلہ رواۃ میں کوئی راوی ایسا ہے جو غیر ثقہ ہو، کمزور حافظے کا ہو یا ایسا ہو اس کے احوال نا معلوم ہیں یا اس کے حافظے کا حال مخفی ہے، تو ایسی صورتوں میں اس سند کو مجروح قرار دیتے ہیں تاوقتیکہ وہی حدیث کسی قوی سند سے ثابت نہ ہو جائے۔

مزید برآں فنِ اَسماء الرِّجال نے رُواۃِ حدیث کا مکمل سوانحی انسائیکلو پیڈیا تیار کر دیا، حدیثِ رسول کے وضّاعین کے خلط سے محفوظ رکھنے کے لئے اور کھرے کھوٹے کو پرکھنے کے لیے ہزاروں مُحدِّثین کرام نے آبادیوں، شہروں اور قریوں کی خاک چھان کر لاکھوں راویانِ حدیث کی زندگی کے حالات اکٹھا کیے۔کسی نے رسولِ خُدا ﷺ کی ایک حدیث کی روایت صحابی، تابعی، یا تبع تابعین سے کی تو اس کے حالات پیدائش سے وفات تک مجتمع کر دیئے گئے۔آج کسی بھی راویٔ حدیث کے بارے میں یہ معلومات فراہم کی جاسکتی ہے کہ:

کہاں اور کب پیدا ہوئے اور کہاں وفات پائی؟ ان محدثین نے علم حدیث [illegible]

کون تے ہیں؟ اس کا [illegible] اور مشاغل کیا تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ [illegible] تھے یا [illegible] جھوٹ

بھی بولتے تھے؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ، دیگر علوم میں کیسے تھے؟اس کے بارے میں ناقدین حدیث کیا رائے رکھتے ہیں؟

اَسماءُالرِّجال میں جرح وتعدیل ایسا صبر آزما فن ہے جس سے صاحبانِ تقویٰ اور خُدا تُرسان دَہر اہلُ اللہ ہی عہدہ برآ ہو سکتے تھے اور انھیں مقدس نفوس نے اس فن کے ذریعہ حدیث رسول کو بے غبار کر کے رکھا۔(فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیرَ الجزاء فِی الآخِرَۃِ)

حضرت ابن المدینی علیہ الرحمہ جو جرح وتعدیل کے امام ہیں، ان سے کچھ لوگوں نے ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ روایتِ حدیث میں کیا درجہ رکھتے ہیں۔تو انھوں نے سائلین سے کہا کہ اس بارے میں میرے علاوہ کسی اور سے پوچھو، مگر پوچھنے والوں نے اصرار کیا کہ ہم آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔امام مدینی نے فرمایا:

یہ دین کی بات ہے اس لیے میں کہتا ہوں وہ ضعیف ہیں۔

حدیث کے مشہور امام معاذ بن معاذ کو ایک شخص نے دس ہزار سونے کی اشرفیاں دینے کی پیشکش کی اور کہا کہ آپ فلاں راویٔ حدیث کے بارے میں صرف خاموشی اختیار کر لیں۔معتبر یا غیر معتبر کا حکم نہ لگائیں آپ نے جھڑک کر فرمایا:

میں کسی حق کو چھپالوں یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔

جمعیت اشاعتِ اہلسنت پاکستان کی سرگرمیاں

مدارس حفظ و ناظرہ

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

کے تحت صبح و رات کو حفظ و ناظرہ کے مختلف مدارس لگائے جاتے ہیں جہاں قرآن پاک حفظ و ناظرہ کی مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

درس نظامی

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

کے تحت صبح اور رات کے اوقات میں ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی درس نظامی کی کلاسیں لگائی جاتی ہیں۔

دارالافتاء

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

کے تحت مسلمانوں کے روزمرہ کے مسائل میں دینی رہنمائی کے لئے عرصہ دراز سے دارالافتاء بھی قائم ہے۔

مفت سلسلہ اشاعت

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

کے تحت ایک مفت اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہے جس کے تحت ہر ماہ مختلف علماء اہلسنت کی کتابیں مفت شائع کر کے تقسیم کی جاتی ہے۔ خواہش مند حضرات جمعیت سے رابطہ کریں۔

ہفتہ واری اجتماعات

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

کے زیر اہتمام ہر پیر رات بعد نماز عشاء نور مسجد میں اجتماع منعقد ہوتا ہے جس میں مختلف علماء کرام مختلف موضوعات پر خطاب فرماتے ہیں اور ہر اتوار نماز ظہر کے فوراً بعد صرف ایک گھنٹہ درس قرآن ہوتا ہے۔

کتب و کیسٹ لائبریری

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

کے تحت ایک لائبریری بھی قائم ہے جس میں مختلف علماء اہلسنت کی کتابیں علاوہ کیسٹس بھی مطالعہ کے لئے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ خواہش مند حضرات رابطہ فرمائیں۔

روحانی پروگرام

تسکین روح اور تقویت ایمان کے لیے شرکت کریں

ہر شب جمعہ نماز تہجد اور ہر اتوار عصر تا مغرب ختم قادریہ اور خصوصی دعا